اصغری بیگم

"چلو کڑیو' شاوا۔۔۔" بے بے نے اکتاہٹ بھرے انداز میں سامنے پڑے جھلمل جھلمل کرتے کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھا اور اپنی دختران کو ٹہوکا دیا جو بڑے انہماک اور دلجمعی کے ساتھ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اسی ایک دوکان پہ جم کے بیٹھی اپنے ملبوسات منتخب کرنے کے مرحلے سے دوچار تھیں۔

"چھتی کرو' ظہرویلے کے گھر سے نکلے ہیں' ڈیگر (عصر) ویلا ہو گیا ہے اور ابھی تک کچھ پسند نہیں آیا تم دونوں کو۔ پتا بھی ہے کہ ہر حال میں مغرب ویلے سے پہلاں پہلاں گھر پہنچنا ہے ورنہ اپنے بیو کا پتا ہے نا۔"

"پتا ہے' پتا ہے۔" دونوں یک زبان ہو کے ہاتھ ہلانے لگیں۔ بچپن سے بے بے کو ابے کی دھمکیاں اور ڈراوے دیتے دیکھتی چلی آ رہی تھیں اور بچپن سے ہی جانتی تھیں کہ یہ دھمکیاں محض دھمکیاں اور یہ ڈراوے نرے ڈراوے ہی ہیں' ابا اتنا ہی بے ضرر تھا جتنا کہ گھر کا دوسرا بے جان سامان۔

"باجی جان! آپ یہ والا راجستھانی لہنگا۔۔۔۔۔"

"اوئے' تجھے تین دفعہ کہہ چکی ہوں یہ باجی' باجی کیا لگا رکھا ہے۔" اکبری نے سیلز مین کو بری طرح لتاڑ کے رکھ دیا۔

"دیکھ ذرا بے بے! چنگا بھلا مونچھ داڑھی والا پائی (بھائی) ہے اور کاکا بن کے مجھے باجی کہتا جا رہا ہے۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے' اس سے کوئی چھ سات سال چھوٹی

ناولٹ

ہوں گی۔" اس نے دھڑلے سے اٹھارہ انیس سال کے نو عمر لڑکے اور اپنے درمیان عمر کا مبالغہ آمیز فرق جتلایا۔

"آپ تو ناراض ہی ہو گئیں چھوٹی بہنا! چلیں غصہ تھوک دیں۔ برے موڈ کے ساتھ اچھی شاپنگ نہیں ہوتی۔ اچھا یہ ریڈ کلر کا لہنگا تو دیکھیں۔"

"ہاں' ٹھیک ہے۔" اس نے ناک چڑھائی' پھر اصغری کو ٹہوکا دیا۔

"کیوں نکی' تیرا کیا خیال ہے؟"

"میں نے کہا' اچھا ہے تو ٹرائی [illegible]

گی۔" اس نے صاف گوئی کا [illegible]

"دیکھ ویرا! پہلے ہی بتایا تھا [illegible]

لہنگے چاہئیں۔ کوئی ایسا رنگ [illegible]

میری نکی پہ بھی اٹھ جائے [illegible]

یقینی سی تھی جیسے نکی پہ [illegible]

میں سے ہو۔

"ناں اس رنگ میں [illegible]

چڑھ گیا ہے تو بے [illegible]

"ناں بے بے! [illegible]

رنگ پہ تو بڑا اٹھے [illegible]

گا جیسے تندور بھڑکے [illegible]

اس کھلی بے عزتی پہ اصغری [illegible]

ارادہ کیا۔

"چل بے بے! میں نے نہیں کچھ خریدنا۔ بابل کی تو عادت ہے ہر جگہ مجھے ذلیل کرنے کی۔ بڑا مان ہے اپنی پھیکی چمڑی پہ۔" اسے جب بھی تاؤ آتا' اسے سر عام باجی کہہ کے بھڑاس نکالا کرتی۔

"ہائے' ہائے' سیاپا۔ کتنا کہا تھا ان کے پیو کو۔ پچھلے پچیس سال سے دونوں کے دنگل ختم نہیں ہوئے۔ انہیں ایک گھر میں نہ بھیجنا۔ اگلی ساری حیاتی بھی لڑ مر کے گزاریں گی۔ ان کا گزارا نہیں ہونے والا ایک ساتھ' پر اس بھلے مانس نے آج تک میری مانی ہے جو اب مانتا۔"

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس یک طرفہ فیصلے کا سہرا ابے کے سر باندھا گیا جو تمام کارروائی کے دوران خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ بے بے کا اپنا فیصلہ تھا کہ "جنج" (بارات) ایک گھر سے آئے گی تو روٹی کا خرچا کم ہو گا اور اس خرچے کو بچانے کے لیے دونوں کو ایک ہی اکھاڑے میں اتارنے کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔

روز کی طرح آج بھی شاپنگ کے نام پہ نکلی تینوں ماں بیٹیاں خالی ہاتھ لٹکائے فروٹ چاٹ' برگر اور ٹھنڈی بوتلیں حلق تک بھر کے اچھرے بازار سے واپس لوٹ رہی تھیں۔

[illegible] کی سیدھ میں چلنا اب دونوں۔ خبردار جو [illegible] میں کسی کی دکان پہ رکیں۔ سیدھی ویگن کے [illegible] پہنچو۔" بے بے کی سخت وارننگ پہ وہ دل چاہنے کے باوجود [illegible] روپے والے جیولری آئٹمز کے [illegible] پہ رک نہ سکیں۔ اوپر سے اچھرے کے چرب [illegible] دکانداروں کے آوازے۔

[illegible]

ایک کراری سی آواز نے فٹ پاتھ پہ بکھرے لان [illegible] کی جانب اشارہ کرتے ہوئے چھانٹی کی [illegible]

[illegible] بے بے جھاتا نے "قتل دا گھاٹا۔ آنی ہو گی [illegible] ہولی ہوتی۔" بے بے کو وہی طیش آیا جو اکبری کو [illegible] سن کے آیا تھا۔

"خالہ عنایت! کردوں پکار عنایت۔"

اس آواز پہ بے بے ٹھٹک کے رکیں۔

"بے غیرتا' سر عام میرا نام اونچی آواز میں پکارتا ہے۔ اکبری کے پیو کا پتا ہے۔؟ یہ جو ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کے پیلے دانت ہیں ناں' اک چھوڑ (طمانچہ) مار کے ہاتھ پہ رکھ دے گا۔"

"واقعی خالہ! پھر تو ضرور بلانا خالو کو۔ دانتوں کا ڈاکٹر تو بڑے پیسے مانگتا ہے۔" لڑکا شاید ضرورت مند تھا' یا ضرورت سے زیادہ ڈھیٹ۔

"ہائے میں مرجاواں' اتنی سستی سینڈلیں۔"

جوتوں کی دکان کے آگے سے گزرتے ہوئے ایک سیلز مین نے اچانک ان کے سامنے آکر دلدوز چیخ کے ساتھ اپنی "سینڈلوں اور اپنے فن" کی پبلسٹی کی۔ یہ گاہکوں کو متوجہ کرنے کا اس کا اپنا اسٹائل تھا مگر اپنے دھیان میں مگن اصغری گڑبڑا کے پیچھے سے آتی اکبری پہ گرتے گرتے بچی مگر ڈھائی انچ کی ہیل پہ چڑھی اکبری بچ نہ سکی۔

"تیرا بیڑا ہی غرق نا مراد۔ اگر میری دھی کو کچھ ہوجاتا تو تیری دکان میں شوکیسوں میں سجی ساری کی ساری جوتیاں نکال کے میں نے ایک ایک کرکے تیری ٹنڈ پہ بجاوینا تھیں۔ اونہہ روتے دکانداری کرنے کو۔ بھانڈ کہیں کے۔"

"بے بے! مچھی پکوڑے۔" چٹوری اکبری نے اچھرے موڑ کے مشہور مچھلی کی دکان کے آگے سے گزرتے ہوئے فرمائش کی۔

"چسکورئے' کھانے کی طرف دھیان ہے سارا۔ بازار آتی ہی چسکے کے لیے ہے۔ دیاہ میں مینہ بھی نہیں رہ گیا اور لیرے لتے (کپڑے) کا کچھ پتا نہیں۔ چل سیدھی طراں آگے لگ۔ دیگن نکل گئی تو رکشہ لینا پڑے گا۔ مفت میں چالیس روپے برباد ہوں گے۔"

گھر کے نزدیکی "بھلہ اسٹاپ" پہ اتر کے جیسے ہی دونوں "بابا مرمنڈھے والا" کے مزار کے ساتھ والی گلی میں مڑیں' بے بے کو دونوں کی بے پردگی کا خیال آیا۔ فٹنگ والے ساٹن کے برقعے کس کے بٹن لگا کے چڑھائے گئے تھے۔ اوپر کا حصہ یوں سر پہ ٹانکا گیا تھا کہ بالوں کے شمیم آرا اسٹائل والے پف اور کلپ لگے نظر آتے رہیں۔

"نقاب نیچے گراؤ کڑیو' اپنے پیو کا پتا ہے نا۔"

"پتا ہے... پتا ہے..." دونوں نے برقعے کے "شٹر" گراتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

اکبری اور اصغری کے دن کیا مقرر ہوئے تھے مانو پوری برادری میں جیسے "تھرتھلی" مچ گئی تھی۔ ننھیال' ددھیال سب کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ بڑی مامی نے تو منت مان رکھی تھی' جیسے ہی دونوں کی بات پکی ہونے کے چار لڈو ان کے گھر آئے' انہوں نے محلے بھر میں چار کلو لڈو بانٹے۔ تائی نے شکرانے کے سو نفل پڑھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ماں سے بڑھ کے مامی اور تائی کو خوشی ہوئی تھی ان کے گھر بس جانے کی... بلکہ یہ منت کے لڈو... شکرانے کے نوافل درحقیقت ان کے ٹھکانے لگ جانے اور اپنے بچاؤ کی خوشی کے تھے۔

یوں تو عنایت بی بی نے خاندان بھر میں کوئی گھر ایسا نہ چھوڑا تھا جہاں وہ اپنی بیٹیوں کے لیے کوشش نہ کر چکی ہو مگر اپنی بڑی جیٹھانی اور بھاوج کے سپوتوں پہ اس کی خاص نظر تھی۔ تائی نے تو اپنے لاڈلے کو حفظ ماتقدم کے طور پہ کویت بھجوا دیا' یہ کہہ کر کہ جب تک اکبری کی ڈولی نہ اٹھ جائے' واپس لوٹنے کا نام مت لینا' ادھر دیور دیورانی کے دباؤ پہ سالوں سے یہی عذر پیش کیا گیا کہ انور بے چارے کا دل تو کرتا ہے آنے کو مگر اگلے دس سال تک شاید ہی آپائے' تمہیں لڑکی اتنی بھاری ہے تو ٹھیک ہے ٹیلی فون پہ نکاح پڑھا کے رخصت کروا لیتی ہوں جب تک انور نہیں آتا' بیٹی بن کے میری خدمت کرے۔" اور عنایت بدک جاتی... اکبری کی زبان درازی اور خوش خوراکی سے بھلے اسے سو گلے ہوں' مگر تھی تو بیٹی' کیسے بارہ من کی' گٹھیا کی مریضہ بھاوج کے گھر ملازمہ بنا کے بھیج دیتی جس کا تین بیاہی' دو کنواری بیٹیوں اور تین لڑکوں کا بڑا سا ٹبر تھا۔

مامی نے اکبری سے بچنے کی خاطر یہاں تک بدنامی مول لی کہ بڑے بیٹے کو نشے کا عادی جبکہ چھوٹے کو مارکٹائی کا شوقین مشہور کردیا۔

دور پرے کے رشتے داریوں بھی پیٹھ پہ ہاتھ نہ دھرنے دیتے تھے۔ اکبری کی وجہ سے اصغری بھی بیٹھے بیٹھے پچیس کی ہونے کو آئی حالانکہ اس پہ برادری والوں کو ذرا کم اعتراضات تھے۔ وہ اکبری کی طرح ہمہ

وقت ٹھونسنے کی شوقین نہ تھی' نہ ہی اس کی زبان کے آگے خندق تھی۔ بلکہ خاندان کی چھوٹی بڑی تقریبات میں وہ خود کو ڈپٹی نذیر احمد والی سچ مچ کی اصغری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی۔ بڑی بوڑھیوں کی زبانی کلامی چاپلوسی کرنا' ان سے رغبت سے بہوؤں کی غیبتیں سننا' اور خاندان کی بھابیوں سے ان کی ساسوں کے مظالم آنکھوں میں آنسو بھر کے سننے میں اسے خاص مہارت تھی۔

پھر اکبری کی نسبت پڑھی لکھی بھی تھی۔ بے شک میٹرک کا امتحان باوجود کوشش کے تیسری بار بھی پاس نہ کر سکی تھی' مگر چونکہ اسکول میں دس جماعتوں کی فیس بھر چکی تھی اس لیے دھڑلے سے خود کو "تجربہ کار" میٹرک پاس بتلاتی۔ جبکہ اکبری نے تو ساتویں جماعت تک جا کے تب ہی ہمت ہار دی تھی جب اسی اسکول کی دسویں کی "باجیاں" بھی ساتویں جماعت کی اس انیس سالہ اکبری کو استانی جی سمجھ بیٹھی تھیں۔ اس کے بعد گذشتہ نو سالوں سے وہ گھر بیٹھی اپنے حسن اور صحت دونوں کے نکھار میں مصروف تھی۔ اسے اپنی گوری رنگت پہ بڑا ناز تھا جو بلاشبہ ہونا ہی چاہیے لیکن اسے اپنی شخصیت کی ان چیزوں پر بھی کمال درجے کا غرور تھا' جس پہ غرور کرنا بذات خود "غرور" کی توہین تھی۔

مثلاً اپنے ٹھگنے سے قد پہ اسے بابرہ شریف ہونے کا زعم تھا۔ حالانکہ بابرہ شریف پچاس سال کی عمر میں بھی اتنا "پکا" چہرہ نہیں رکھتی جتنا اکبری کا پندرہ سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔ اپنی چندی مندی آنکھوں پہ اسے ریشم کے نینوں کا گمان ہوتا' اپنی قابل رشک صحت کی وجہ سے وہ خود کو "کڑی پنجابن" یعنی صائمہ قرار دیتی حالانکہ اگر صائمہ اسے دیکھ لیتی اور اس کا یہ دعوا بھی سن لیتی تو ہتک عزت اور کم از کم کروڑ روپے ہرجانے کا جوابی دعوا کر دیتی۔ البتہ آواز کے بارے میں اس کا دعوا بے بنیاد نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ بقول اکبری کے جس طرح مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے' اسی طرح اس کے گلے میں نصیبو لعل چنگھاڑتی ہے۔ اس کی اس بات پہ تب ایمان لانے کو جی چاہتا جب وہ آٹا گوندھتے ہوئے گنگناتی۔

"بکل سے وچ چورنی میری بکل دے وچ چور۔۔۔۔"

عنایت بی بی کو قطعی امید نہیں تھی کہ ان کی یہ اٹھائیس سالہ بیٹی' جو خیر سے بدمزاجی' زبان درازی' ہاتھا پائی اور کام چوری جیسے گنوں میں بھی پوری تھی' اس کے لیے حاتم جیسے انسان کا رشتہ آ سکتا ہے۔ ابھی وہ قسمت کی اس مہربانی پہ بوکھلائی ہوئی تھی کہ رشتہ لانے والی وچولن جو در حقیقت لڑکے کی دور پرے کی ماسی بھی تھی' اس نے حاتم سے چھوٹے والے لقمان کے لیے اصغری کا نام لے لیا۔ اب تو جی' عنایت بی بی کی لاٹری نکل آئی۔ مارے خوشی اور جوش جذبات کے اس نے اپنے مجازی خدا کو دو ہتھڑ دے مارے۔ بے چارہ کھانسی کے دورے سے نمٹ کے اس "پُرمحبت لمس" کی وجہ دریافت کرنے لگا جس نے اس کی پسلیاں تک ہلا ڈالی تھیں۔

"یہ تیری کوئی نیکی تھی۔۔۔ پتا نہیں تو نے ساری حیاتی کوئی نیکی کی بھی تھی یا نہیں' ہو سکتا ہے تیرے پچھلوں کی کوئی نیکی ہو جو میری شکل میں تیرے آگے آ گئی ورنہ تیری ایسی قسمت کہ تجھے مجھ جیسی زنانی ملتی؟ یہ میرے نصیب اور میری عقل ہے کہ آج تیری بیٹیوں کے لیے اتنے اچھے رشتے مل گئے۔ بڑا والا ڈاک خانہ میں ملازم ہے تو چھوٹے کی دودھ دہی کی دکان ہے۔ اپنا مکان ہے اور سب سے اچھی بات دونوں کے ماں پیو سالوں پہلے ہی مک مکا گئے۔"

"چلو اچھی بات ہے' اکبری' اصغری کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑے گی۔" بے چارے کو یاد آیا کہ کس طرح عنایت بی بی کو پورے آٹھ سال لگے تھے اس کی ہٹی کٹی ماں کو بستر پہ ڈالنے میں۔

"اور دونوں بہنیں اکو ویہڑے (آنگن) میں اتریں گی۔"

"اللہ خیر کرے اس ویہڑے کی۔" بابل کو بیٹیوں

کے سسرال آنگن کی اینٹ سے اینٹ بجتی ابھی سے نظر آنے لگی۔

"کبھی تو میری بیٹیوں کے بارے میں اچھا سوچ لیا کرو۔"

"بھلیے لوکے' اک گل تے بتا' کبھی یہ تیری بیٹیاں ہو جاتی ہیں' کبھی میری۔ پہلے یہ تو طے کر لے کہ ان کی کون سی عادت کس کے کھاتے میں ڈالنی ہے۔ اچھا ہو تو سب تیرا۔۔۔ جو برا ہے وہ میرے نام لگا دیا کر۔"

"ہاں تو یہی دستور ہے' دادکوں (دودھیال) کا اثر آتے دیکھا تو تیری بیٹیاں۔۔۔ اور اگر نانکوں (ننھیال) کے گن دیکھے تو ظاہر ہے میری بیٹیاں۔ اچھا اب یہ تیری میری چھوڑ۔ کام کی بات کر' کوئی جہیز کی' لینے دینے کی۔ منڈوں کے آگے پیچھے تو کوئی ہے نہیں جو جہیز میں منہ پھاڑ کے فرمائشیں کرے یا نقص نکالے' پھر بھی دینا تو اپنی اولاد کو ہے' اس کے ہی کام آئے گا' جتنا بن سکا' ضرور دیں گے۔"

"ہاں تو اپنی کون سا اور اولاد بیٹھی ہے' جو ہے ان دونوں نمانیوں کا ہی ہے۔ ایسا کرتا ہوں' کامونکے والی زمین بیچ دیتا ہوں' زیور بن جائے گا۔ اور پار سال وڈے بائی جان نے دادا جی کے جو دو مربعے بیچ کر میرے حصے کے پینتیس ہزار دیے تھے وہ بینک میں پڑے ہیں' ان سے جنج (بارات) کی روٹی پانی کا بندوبست ہو جائے گا۔ باقی رہ گیا فرنیچر۔۔۔ یعنی مسہری' سنگھار میز' کرسیاں وغیرہ۔۔۔"

"اور ٹی وی' فریج بھول گیا۔۔۔ نا اکبری کا گزارہ فریج کے بغیر تو نا اصغری کا ٹی وی کے بغیر۔ وہ تو ان دونوں چیزوں کو لیے بغیر ڈولی میں نہ بیٹھیں گی۔ اس کے علاوہ کپڑے لتے' میک اپ شیک اپ کے لیے بھی ہزاروں چاہئیں۔"

"اتنا پیسہ تو میرے پاس نہیں۔ مشکل سے پچاس ہزار نکلیں گے' بستر اور فرنیچر بنا لے چاہے ٹی وی شی وی لے لے۔۔۔ سارا کچ تو پورا نہیں پڑے گا ان پچاس ہزار میں۔"

"ہائے۔۔۔ تو کیا میری کڑیاں ترسیں گی ان چیزوں کے لیے؟۔"

"ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ تو کیا میں اپنی ہٹی (دکان) بیچ کے واج پورا کروں تاکہ باقی عمر خیرات لے کے کھانا پڑے۔ اکو تو میری روزی روٹی کا آسرا ہے۔"

"تو فکر نہ کر' میں دماغ لڑاتی ہوں۔ آخر عقل مند زنانی ہی کام آتی ہے۔" اور عنایت بی بی نے ایسا دماغ لڑایا کہ سارا انتظام تقریباً" ہو گیا۔ وہ اگلے چکر میں بیٹیوں کے ہونے والے سسرال گئی تو سارے گھر میں گھوم گھوم کے جائزہ لیا۔ پانچ مرلے کا اچھا بنا ہوا مکان تھا۔ نیچے بیٹھک کے علاوہ دو کمرے' برآمدے' باورچی خانہ اور چھوٹا سا پکا صحن تھا۔ اوپر ایک برساتی نما کمرہ تھا جو اسٹور کا کام دیتا تھا۔

"دیکھ پتر! مجھے غلط نہ سمجھنا' میری کڑیوں کے لیے رشتوں کی کمی نہ تھی۔ مگر تم دونوں پہ ہامی اس لیے بھری کہ ثواب کا کام ہے کسی یتیم کا گھر آباد کرنا۔ میری

○ گرتے بالوں کو روکتا ہے ○ نئے بال اگاتا ہے
○ بال لمبے اور گھنے کرتا ہے
بیوٹی بکس کا تیسرا رکن دد

سوھنی ہیئر آئل

پچھلے 25 سالوں سے بہنیں اور بھائی استعمال کر رہے ہیں

سوھنی ہیئر آئل کے بعد
آپ کے حسن کے لیے
بیوٹی بکس کا قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

سوھنی اُبٹن

(ھربل بیوٹی پاؤڈر)

قیمت 45 روپے ڈاک خرچ اڈ روپے

جو آپ کو حسین سے حسین تر بنائے
رنگ نکھارے' چہرے کو خوبصورت بنائے'
چہرے کا رنگ بدل کر صاف اور شفاف بنائے'
سوھنی اُبٹن ۔ چہرے اور ہاتھوں کی خوبصورتی کا راز

یہ آپ کے چہرے کو قدرتی حسن' دلکشی اور دلکشی بخشتا ہے' چہرے کے داغ دھبے مٹاتا ہے' آپ کی جلد کے بند سوراخ کھول کر انہیں گرد سے بچاتا ہے
آپ کے چہرے اور جلد کا قدرتی حسن برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ
جس سے آپ کا رنگ بھی نکھر آئے گا
اور ہر کوئی یہ کہنے لگے گا کہ یہ حسین چہرہ کس کا ہے؟

• مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی
• بیوٹی بکس (خواتین ڈائجسٹ) 37 اردو بازار کراچی
یا بیوٹی بکس 37 اردو بازار کراچی کے پتے پر منی آرڈر کرائیں۔ سو روپے

اکبری' اصغری کا کیا ہے' ان کو تو اچھے سے اچھا رشتہ مل جاتا۔ نہ تم دونوں کے ماں پیو' نہ کوئی اور بڑا۔۔۔ لے دے کے بس دو ہی بھائی' بیویاں آپس میں نباہ نہ کر پاتیں تو تم دونوں تو کسی ایک رشتے سے بھی جاتے۔ اب میری کڑیاں دونوں سگی بہنیں دونوں میں اینٹ کتے کا۔۔۔ میرا مطلب ہے طوطا مینا کا پیار ہے۔ دونوں کی محبت تمہارا گھر بنائے رکھے گی۔ میں چاہتی ہوں اس گھر میں کوئی تیرا میرا والا چکر نہ ہو۔ خیر سے اس کمرے میں جو ٹی۔ وی پڑا ہے وہ تم دونوں میں سے کس کا ہے؟"

"خالہ جی! ہمارا اپنا ہی ہے۔ قسطوں پہ لیا تھا' کبھی پائی جان نے قسطیں بھر دیں' کبھی میں نے۔" لقمان نے جواب دیا۔

"ہاں تو اسے اس کمرے سے نکال کر برآمدے میں رکھ دو اور بیٹھک کا پرانا صوفہ بھی ادھر نکال دو۔ بیٹھک میں تو جہیز کا نیا صوفہ آ ہی جائے گا۔ ذرا تم لوگوں کا برآمدہ نئے فیشن کا اور اٹھنے بیٹھنے کے لائق ہو جائے گا۔ میں تو چاہتی ہوں دونوں بھائی اور وہ دونوں بہنیں مل جل کے اس گھر میں رہیں۔ کتنا اچھا لگے گا جب اپنے اپنے کمرے میں الگ الگ بیٹھنے کے بجائے دونوں جوڑے اکٹھے ادھر برآمدے میں بیٹھے ٹی وی دیکھو گے ویسے بھی میں نہیں چاہتی کہ اکبری اصغری جہیز کی چیزوں پہ اکڑ کے آپس میں تلخی پیدا کریں اسی لیے سوچ رہی ہوں فریج بھی نہ لوں۔ کل کو وڈی' نکی سے یہ نہ کہے یہ میرے جہیز کا ہے' وہ کہے' نہیں میرے جہیز کا' بس تم لوگ ایسا کرو' قسطوں پہ فریج بھی لے ہی لو۔ اور قسطیں اکٹھی ہی بھرنا تاکہ تمہاری زنانیاں اک دوسری کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تیرے نہیں میرے میاں کی کمائی کا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔"

لقمان تو جھٹ باچھیں چیر کر اثبات میں سر ہلانے لگا' البتہ حاتم پرسوچ نگاہوں سے عنقریب ہونے والی ساس صاحبہ کی عیاریاں ملاحظہ فرما رہا تھا۔ کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا مگر اللہ اللہ کر کے چالیس سال کی عمر میں شادی ہونے جا رہی تھی' چند ہزار کے بدلے اس معاملے کو بھی پچھلے کچھ معاملات کی طرح کھٹائی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

یہ مرحلہ طے کرنے کے بعد اس نے خاندان کی ہنگامی میٹنگ طلب کی۔

"بھئی سارے جانتے ہیں' پچھلے تیس سالوں سے میں میکے اور سوہروں (سسرال) کی چار درجن شادیاں' منگنیاں' پچاس کے قریب عقیقے اور سالگرہیں نمٹا چکی ہوں۔ خیر سے ساروں نے بچے بھی دل کی بھڑاس نکال کے پیدا کیے ہیں جبکہ مجھ بے چاری کی چونگے کی دو بیٹیاں۔ اگر میں حساب کرنے بیٹھوں تو فی بچہ تم ساروں کی طرف پانچ پانچ ہزار تو ہوتے ہیں ادھنے کی صورت میں' میں نے الگ دیے ہوں گے۔"

"کیوں بڑھاپے میں چٹے چونڈے کے ساتھ اتنا چٹا جھوٹ بولتی ہو بھرجائی! انیس سو ننانوے تک تو پچیس روپے لفافے میں ڈال کر دھڑلے سے دیتی رہی ہو۔ ہاں اکیسویں صدی شروع ہونے کے بعد ذرا شرم آئی تو نیوتے کی رقم پچاس روپے کر ڈالی۔" اس کی چھوٹی نند نے تڑپ کے کہا جو اپنی ساری اولاد سن دو ہزار کے آنے سے پہلے بیاہ چکی تھی اور جسے نیوتے کی رقم میں سے نصف کے نقصان کا بڑا قلق تھا۔

"اچھا۔۔۔ اور تحفے۔۔۔؟" اس نے چمک کر جتایا۔

"ہاں ہاں' بڑے تحفے۔ سگی بھانجیوں کو جو جوڑے تو نے جہیز میں رکھنے کو دیے' ان کی وجہ سے اب تک میری بیٹیوں کو سسرال والے طعنے دیتے ہیں۔" عنایت بی بی کے چھوٹے بھائی کو بھی یہ دکھ تھا۔

"تم طعنوں کی بات کرتے ہو دیر!" اب کے بڑی بھاوج نے دوپٹہ آنکھوں پہ ڈال کے سسکنا شروع کر دیا۔

"میری بچی کو تو طلاق ہوتے ہوتے بچی' اس کی میاں کو سلامی میں پشاوری چپل پیک کر کے دے دی اور وہ بھی اپنے بندے کی استعمال شدہ' کئی سال پرانی۔"

"میرے گھر پہلا پوترا (پوتا) ہوا تو تحفے کے طور پہ ڈھائی روپے والی چوسنی دے گئی۔" یہ عنایت بی بی کی

سگی بہن تھی۔
"چل بی۔۔۔ ڈھائی روپے۔۔۔؟ پورے نو روپے کی تھی۔ چنگی طرح یاد ہے مجھے اور کرایہ خرچ کر کے آنا جانا' یہ سب یاد نہیں ہے اور پھر تم لوگوں کے گھر ویاہ ہوتے تھے' نئے کپڑے تو ہمیں بھی بنانا پڑتے تھے۔ دونوں کڑیوں کے ہر فنکشن کے لیے نئے جوڑے' میک اپ' ہار سنگھار۔۔۔ یہ خرچا کیا کم تھا۔"
"اب چاہتی کیا ہو عنایت بہن! اتنا چھوٹا تھا خرچا' تو نہ آتی برادری کی خوشیوں میں شریک ہونے۔"
"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میں نے تم سب کے آدھ آدھ درجن بچوں کی خوشیاں بھگتائی ہیں۔ میری دونوں کڑیوں کی شادی باقی ہے۔ اب مجھے پورا حساب کتاب چاہیے۔ سارا تم لوگوں نے جو دینی ہے' دولہے کو دینی ہے۔ جو تمہارے اپنی بیٹیاں ہیں' دل کھول۔۔۔ دینا اور وہ بھی ایسے تحفے جو جہیز میں رہتے ہیں۔ جس کو جو وارے کھاتا ہے۔۔۔"
زبردستی کی۔۔۔ تو بہت آیا مگر بہرحال اکبری اصغری۔۔۔ کوئی رشتہ تھا۔ عنایت بی بی۔۔۔ سوائیں سناتے سب نے تحفے۔۔۔ آیا کے حصے میں واشنگ مشین۔۔۔ آیا کے حصے میں ڈریسنگ ٹیبل اور واڈروب۔۔۔ کمبل اور کیسز لگائے گئے۔۔۔ بھی کورضائیاں بنوانے کو دی گئیں۔ بھولی بھالی نے بمشکل واٹر کولر پہ ہامی بھری۔ سنبھال والوں کے ذمے کم بار نہ تھا۔ کسی کو سلائی مشین' کسی کو پیڈسٹل فین' کسی کو لوہے کی الماری تو کسی کو استری کا کہہ دیا گیا۔ یوں جہیز کا چیدہ چیدہ سامان اکٹھا ہو ہی گیا' چاہے زبردستی ہی سہی۔
اب اکبری' اصغری اتنے کے دیے پچاس ہزار کو اپنی مرضی سے خرچنے کی مختار تھیں' مگر برا ہو دونوں کے مزاج کا۔ آج آٹھواں دن تھا' بے بے کے ساتھ بازار جاتے ہوئے مگر شاہ عالمی' دلی دروازہ' بانو مارکیٹ اور اچھرے کی ساری گلیاں چھان مارنے کے بعد بھی دونوں ایک دوپٹہ تک خریدنے کے معاملے میں متفق نہ ہو سکیں۔ اکبری نے شوشہ چھوڑ رکھا تھا کہ ساری چیزیں ایک جیسی ہونی چاہئیں۔ اب وہ کچھ پسند کرتی تو اصغری لینے سے انکار کر دیتی۔ اسے پسند آتا تو اکبری کو اعتراض ہوتا۔ نویں دن عنایت بی بی کو جلال اٹھا۔
"ٹانگیں چیر کے رکھ دوں گی اب میرے ساتھ کوئی بازار گیا تو۔ روز کرائے اور کھانے پینے پہ سو دو سو نکل جاتا ہے۔ لیتی دیتی ککھ بھی نئیں۔ میں آپے کرلوں گی ساری خریداری۔ پتہ ہے مجھے آج کل کے فیشنوں کا۔"
یہ دھمکی کارگر رہی کیونکہ وہ دونوں جانتی تھیں' بے بے کو فیشن کا کتنا پتہ ہے۔ اگلے دن شرافت سے کڑھائی اور میناکاری کے لیے سوٹ دے دیے گئے۔ دوپٹے رنگوائی والے کو دیے گئے۔ بڑا مرحلہ عروسی جوڑے کا تھا۔ اصغری آخر اصغری تھی' اسے اپنی مرضی چلانے کے ایک سو ایک طریقے آتے تھے۔ اس نے بینگنی رنگ کے شرارے کا شور مچا دیا۔ جانتی تھی کسی فیشن میگزین کے کور پہ گوری چٹی نازک سی ماڈل کو اسی رنگ کے عروسی لباس میں ملبوس دیکھ کر اکبری کافی دیر تک للچائی نظروں سے دیکھتی رہی تھی' لیکن ادھر اصغری نے نام لیا' ادھر اکبری کے دل سے جوڑا اترا۔
"تیرا تو دماغ پھر گیا ہے نکی! ذرا اپنی شکل شیشے میں دیکھ۔ تو اس رنگ کا غرارا پہنے گی؟ اری بینگن لگے گی' وہ بھی لمبوترا۔ چل میرے گورے بدن پہ تو یہ رنگ سج اٹھے گا مگر تو۔۔۔ چہ چہ۔۔۔ میں نئیں چاہتی شادی والے دن تیرا مذاق بنے۔"
حالانکہ اس سے پہلے اس کی سو فیصد مرضی اسی پہ تھی۔ اس کی بلا سے اصغری کا مذاق بنے چاہے تماشا۔ ریڈ کلر کے بارے میں وہ پہلے ہی اعلانیہ مخالفت ظاہر کر چکی تھی۔ بالآخر ڈارک میرون اور فان کلر کے کنٹراسٹ پہ اتفاق رائے ہوا۔
"یہ رنگ بڑا بھرم والا ہے۔ گورے پہ تو اٹھتا ہی ہے' کالے کو بھی تھوڑا بہت نکھار دیتا ہے۔" یہ اس کی

رائے تھی جس پہ بظاہر ناک بھوں چڑھاتی اصغری دل سے متفق تھی۔ ویسے بھی اس کا رنگ کالا ہرگز نہ تھا' گندمی مائل سانولا سا تھا۔ فلمی ستاروں والے صابن سے رگڑ کے دھونے کے بعد تو خاصا صاف لگا کرتا۔ البتہ صفائی ستھرائی' کھانا پکانا وغیرہ جیسے کاموں سے ادھ موئی ہونے کے بعد اس کی رنگت ضرور سنولائی ہوئی لگتی مگر کیا کرتی' فلمی رسالے چاٹنے کا شوق' اشارپلس کے ڈراموں میں گوڈے گوڈے غرق ہونے کا چسکہ ..... یہ سب مشاغل ایک طرف' گھرداری کے معاملے میں وہ واقعی بڑی تیزدست تھی۔ سارے کام منٹوں میں نمٹا کے رکھ دیتی' اسی لیے عنایت بی بی کو اس سے کم ہی شکایتیں رہا کرتیں۔

اللہ اللہ کر کے شادی کے دن آئے۔

مہندی والے دن الگ ہی تماشا رہا۔ مودی والا چھوکرا جو گلی کے نکڑ پہ ہی رہتا تھا' وہ خوب اکبری کے ہتھے چڑھا۔ مایوں کے جوڑے میں ملبوس گیندے اور موتیا کے گجرے ہار ٹانکے' مہندی سے بھرے ہاتھوں کے ساتھ وہ اسے مسلسل کسی ماہر ہدایت کار کی طرح ہدایات سے نواز رہی تھی۔ بے بے کی گھوریاں بھی اس پہ ذرا اثر نہ کر رہی تھیں۔

"گانے ذرا پھڑکتے ہوئے بھرنا' وہ سڑے بلے سن چوہتر والے نہ بھر دینا۔ جب ہم دونوں دلہن بن کے ہال میں آئیں تب پیچھے وہ والا گانا بھرنا۔ "کلیوں کا چمن جب کھلتا ہے" اور بارات کے آنے پہ "جادو نگری سے آیا ہے کوئی جادوگر' لے کے پہلا پہلا پیار بھر کے آنکھوں میں خمار ..... "وہ والا۔" وہ لمک کر بولی۔ آس پاس بیٹھی نوعمر لڑکیاں منہ پہ دوپٹے رکھ کے ہنسنے لگیں۔

"اور بات سن' خبردار جو رخصتی کے وقت "بابل کی دعائیں لیتی جا" لگایا تو ..... وہ والا بھرنا "میں پیا چلی میں چلی' دیکھو پیار کی گلی ..... "یا پھر ....." وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"اوہو چلی ..... میں ادھر چلی ..... جانے کہاں میں کدھر چلی۔"

ایک تو تم مزاج کرن نے اس کی مشکل آسان کی۔

بے چارہ مودی میکر منہ کھولے سب سنتا رہا۔ اگلے دن منہ کھولنے کی باری اس بیوٹیشن کی تھی جسے مشورے دے دے کر اکبری نے اس بے چاری کی مت مار کے رکھ دی۔

"گال تو لال کیے نہیں' میرا تو قدرتی حسن ہی اتنا ہے۔ میک اپ کی ضرورت نہیں۔ میرے گالوں سے لہو ایسے لشکتا ہے جیسے کشمیری سیب لیکن تو نے سفیدہ سامل کے ساری لالی ہی چھپا دی۔ اب کم از کم بلش آن ہی پھیر دے۔"

"لگایا تو ہے اور کتنا لگاؤں' آج کل ایسا ہی میک اپ ہوتا ہے جو زیادہ نمایاں نہ ہو اور جسے آپ قدرتی لالی کہہ رہی ہیں' وہ کسی قسم کی اسکن الرجی ہے جس سے آپ کے چہرے پہ لال لال دھبے پڑ گئے تھے' ان کو چھپانے کے لیے مجھے فاؤنڈیشن اور کنسیلر کا استعمال ضرورت سے زیادہ کرنا پڑا۔"

"یہ میں نے میچنگ لینسز بھی منگا کے رکھے ہیں اور نقلی پلکیں بھی۔ میک اپ کے بعد یہ ضرور لگانا۔"

"یہ پلکیں بہت ہلکی کوالٹی کی ہیں اور یہ کیا ..... میرون کلر کے آئی لینسز ..... معاف کیجئے گا اسے لگا کے آپ دلہن نہیں' کسی ہارر مودی کی بھٹکتی ہوئی بدروح لگیں گی۔"

"تمہیں کیا' تم پیسے لو اور اپنا کام کرو۔ کیا تمہیں فیشن کا مجھ سے زیادہ پتہ ہے؟۔"

"اچھا تو پھر یہ تو بتائیے' کیا آج کل اسی کلو کی دلہنوں کا فیشن چل رہا ہے؟۔" وہ بھی شاید ضرورت سے زیادہ صاف گو تھی۔

"ہاں۔" اکبری نے شرمندہ ہوئے بغیر ڈھٹائی سے کہا۔

"پچاس کلو سے کم کی دلہنیں آج کل نہیں چلتیں۔ تبھی تو تم اب تک کنواری بیٹھی ہو۔"

اس طعنے پہ جل کے سچ مچ کی چالیس کلو کی چالیس سالہ کنواری بیوٹیشن نے دونوں ہاتھوں سے رگڑ کے ڈارک میرون بلش آن اس کے غبارہ نما رخساروں پہ تھوپ دیا۔ پلکیں بھی جان بوجھ کے بس ٹانکنے کے

سے انداز میں اس طرح چپکائیں کہ اب گریں کہ تب گریں۔

اصغری نے ہمیشہ اکبری کی ضد میں آکے وہ کیا جو اس کے بالکل الٹ ہوتا تھا۔ اس کے میک اپ کی باری آئی تو نک چڑھی اصغری کی خوش اخلاقیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کا اخلاق اس وقت عروج پہ تھا۔

"اللہ باجی! آپ کے ہاتھ کتنے نرم ہیں۔" مساج کرواتے ہوئے اس نے مسکہ پالش اشارٹ کی اور میک اپ ختم ہوتے ہوتے وہ اس سے بہنایا گانٹھ چکی تھی۔ اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اس کا میک اپ اکبری کے مقابلے میں کہیں زیادہ اچھا ہوا۔

"ہائے بے بے' روٹی کب کھلے گی؟"

نکاح ہو چکا تھا' اب دولہا دلہن کو اسٹیج پہ اکٹھے بٹھا کے مووی بنوائی جا رہی تھی' جب۔ بے بے کے ساتھ بیٹھی اکبری نے منمنا کے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ دیگیں غالباً" کھل چکی تھیں۔ قورمہ' بریانی کی خوشبوئیں اسے پاگل کر رہی تھیں۔

"آرام نال بیٹھ۔" بے بے نے کہنی کا کاری وار اس کی ان پسلیوں پہ کیا جو چربی کی تہوں تلے مدفون تھیں۔

"کھانا لگ گیا' آجاؤ بی بو' بھائیو۔۔۔"

بڑے تاؤ جی نے درباری قسم کا با آواز بلند اعلان کیا۔ سب سے پہلے اکبری بھاری لہنگا سنبھالتی صوفے سے اٹھی۔ حاتم حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ بے بے نے ہاتھ پکڑ کے اسے نیچے صوفے پہ بٹھایا۔

"تم چاروں کے لیے کھانا ادھر میز پہ لگ جائے گا۔"

"اوئے بیرے۔۔۔" اکبری نے ویٹر کو آواز دے کے بلایا۔

"پالک گوشت اتنا کم کیوں لایا ہے اور بریانی میں کوئی کام کی بوٹی ہی نہیں۔ ساری گردنیں ہی گردنیں۔۔۔ یہ ڈش لے جاؤ' مرغی کی دو چار ٹانگیں ڈال کے لاؤ اور ہاں فیرنی کا ڈونگا ابھی لا کے رکھ دو' بعد میں ختم ہو جاتا ہے یا پھر نری فیرنی۔"

"نری فیرنی؟" لقمان نے نئی نویلی بھابھی کے بے تکلفانہ آرڈرز پہ اچھی طرح حیران ہونے کے بعد سوال کیا جبکہ حاتم پوری آنکھیں کھولے قورمے سے نبرد آزما اپنی دلہن کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو نری ہی ہوئی' اوپر کی ملائی' پستہ بادام کی ہوائیاں اور چاندی کا ورق تو سارے باراتی کھا جاتے ہیں۔"

حاتم نے سرد آہ بھر کے چھوٹے بھائی کی سنجیدہ سی نظر آتی دلہن کو چاول کی پلیٹ میں چمچ گھماتے ہوئے دیکھا جو درحقیقت "اچھی طرح" شرمندہ ہونے میں مصروف تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں منہ دکھائی میں کیا ملا؟ خیر۔۔۔ جیسا منہ ہوگا' ویسا ہی تحفہ ملا ہوگا۔" اکبری نے ولیمے کی صبح بڑی رازداری سے اصغری سے پوچھا۔

"یہ تو تم نے سولہ آنے درست بات کہی۔ واقعی بڑا پیارا سا تحفہ ملا ہے۔" اس نے گلے میں پڑے سونے کے لاکٹ پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اترا کے کہا۔ اس پہ اب تک اکبری کی نظر نہ پڑی تھی' اس نے اپنی آنکھیں مقدور بھر باہر نکالتے ہوئے رشک سے لاکٹ کو دیکھا جس میں سونے کا دل کی شکل کا فریم سیا تھا' جس میں لقمان کی ہونق صورت نظر آ رہی تھی۔ رشک کو حسد میں بدلتے دیر نہ لگی۔

"تمہیں کیا دیا حاتم بھائی نے؟"

"صدمہ۔۔۔ وہ بھی ناگہانی۔" وہ ٹسوے بہانے لگی۔

"نی اصغری! بے بے نے بڑا سخت دھوکا دیا۔ لے کے مجھے بڈھے کے پلے باندھ دیا۔ میں بھی کل سوچ رہی تھی' یہ کس زمانے کا دولہا ہے' لیاقت علی خان والی ٹوپی سجا کے بیٹھا ہے۔ رات جو اس نے ٹوپی اتاری۔۔۔ ہائے اتنا بڑا گنج' لشکتی ہوئی ٹنڈ۔۔۔ ابھی ٹنڈ کے لشکارے کم نہ ہوئے تھے کہ اس نے پچھلی داڑھیں بھی نکال کے پانی کے گلاس میں رکھ دیں۔ کہنے لگا

چھوٹی عمر میں ہی دانت گر گئے تھے۔ ہائے... ہائے... میری نکی جئی جان... تے دکھ لکھ تے کروڑ..."

"صبر کر میری بہن! ویسے بھی مرد کی عمر کون دیکھتا ہے' جیب دیکھی جاتی ہے کہ کتنا کماتا ہے۔"

"یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ کتنا خرچ کرتا ہے' ہونہہ نام کا حاتم۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"جیب تو دیکھی بے بے نے مگر یہ نہ دیکھا کہ جوائی کا ہاتھ جیب تک جاتا بھی ہے یا نہیں۔ مجھے پہلی رات میں ہی اندازہ ہو گیا ہے' وہ ایک نمبر کا کنجوس انسان ہے۔"

"عقل کروڈی! مجازی خدا کے بارے میں ایسے نہیں کہتے۔"

"نکی! تو یقین کر اس کی ٹنڈیا بتیسی نے میرا دل اتنا نہیں کلسایا جتنا پلاسٹک کے کلپوں کی اس جوڑی نے تڑپایا ہے۔" اس نے مٹھی کھول کے وہ آتشی گلابی کلپ دکھائے۔

"یہ کاکیوں کے لگانے والے کلپ' شوخے رنگ کی دس روپے والی جوڑی۔ کیا مجھے منہ دکھائی میں دینے کے لیے یہی تحفہ رہ گیا تھا۔" وہ اصغری کے گلے لگ کے چھکوں پہکوں رونے لگی۔

"صبر کر میری بہن اور خود پہ قابو رکھ۔ شادی والا گھر ہے۔ شکر ہے چوبیس گھنٹے سر پہ سوار رہنے کے لیے ساس اور نندیں نہیں لیکن ان دونوں کی رشتے کی ماسیاں' چاچیاں ابھی گھر پہ موجود ہیں۔ کسی نے تجھے یوں دیوداس کی ہیروئن کی طرح ہچکیاں لے لے کے روتے دیکھ لیا تو کسی پرانے یار انے یا عاشقی معشوقی کا جھوٹا الزام لگ جائے گا۔ کیا فائدہ' کیا کرایا کچھ ہے نہیں' ساری جوانی عاشقی کرنے کے بہانے ڈھونڈنے میں گزار دی اور بدنامی مفت میں... چل چپ کر جا۔"

یہ اس کی مصلحت تھی یا صبر کا وہ درس جو اس نے شاید اسٹار پلس کے کسی ڈرامے کی مافوق الفطرت بہو سے جو جوتیاں کھا کے بھی اف تک نہیں کرتی' ورنہ دل اس کا بھی کم نہ دکھا تھا۔ جب لقمان کی حماقتیں اور بدحواسیاں ایک ہی رات میں کھل کے اس کے سامنے آئیں۔ ہلکا سا تلانے والا لقمان کسی طور پہ بھی سیانی بابی اصغری کو اپنے لائق نہ لگا مگر وہ ان لوگوں میں سے تھی' جو ڈھنڈورا پیٹ کر ہمدردیاں بٹورنے کے بجائے اپنے ساتھ ہوئے غلط کام کو بھی ہوشیاری سے درست کرنے میں وقت نہیں لگاتے۔ اس نے بھی صبر شکر کے ساتھ لقمان کو بہرحال قبول کیا اور دل کو بہلانے کے لیے اس کی شخصیت میں ایسے پہلو تلاش کیے جن کے بارے میں خود لقمان کو بھی کبھی بھنک نہ پڑی تھی۔

"چل کوئی بات نئیں' دو دانت باہر ہیں مگر ہیں تو اپنے۔ عقل کے معاملے میں ذرا ہاتھ تنگ ہے تو ٹھیک ہی ہے' زیادہ سیانا بندہ تو حلق کا کانٹا بن کے رہ جاتا ہے' حاتم پائی جان کی طرح... اور پھر عقل و شکل میں ہی غریب ہے' دودھ دہی کی دکان تو خوب چلتی ہے' روز جیب بھر کے نوٹ لاتا ہے اور تھوک لگا لگا کے گننے کے بعد الماری میں رکھ کے تالا نہیں لگا دیتا' حاتم پائی جان کی طرح... بلکہ سارے کے سارے میرے ہاتھ میں پکڑانے کی قسم کھا چکا ہے۔"

اس نے ایسی ایسی تعریفیں کر کے لقمان کو چنے کے جھاڑ پہ چڑھا دیا۔ چھوٹی عمر میں یتیم ہونے کی وجہ سے وہ سالوں سے خود سے بارہ سال بڑے بھائی حاتم سے اپنی کم عقلی اور ڈھیلے پن کی صلواتیں ہی سنتا آ رہا تھا۔ اس میں اعتماد نام کی کوئی چیز حاتم نے باقی نہ رہنے دی تھی' ایسے ہی طعنے دے دے کر۔ اب جو دن رات پروانے کی طرح آگے پیچھے "میں قربان' میں صدقے" کہتی بیوی ملی تو اس کی چھاتی تن کے اور چوڑی ہو گئی۔ اصغری کا بس نہ چلتا تھا' اس کے منہ میں نوالے تک خود بنا کے ڈالے' اوپر سے اس کا طرز تخاطب...

"ہنی... اٹھے نا' صبح ہو گئی۔"

"سوہنے! اور پراٹھا لو نا' دیکھو کتنے کمزور لگ رہے ہو۔"

"ڈارلنگ' آج شام کو کہیں باہر چلیں؟" وہ اس کے گریبان کے بٹن سے کھیلتے ہوئے کچھ اس ادا سے پلکیں پٹ پٹا کے کہتی کہ لقمان فدا ہی ہو جاتا اور خود کو سچ مچ کا "سوہنا" اور "ہنی" سمجھ بیٹھتا۔

☼ ☼ ☼

"کل میری سالگرہ ہے۔"
اکبری نے اطلاع دی۔ شادی کو تین مہینے گزر چکے تھے۔

"اچھا... خیر سے کتنے سال کی ہو گئی ہو؟۔" حاتم نے آملے کا تیل بڑی آس کے ساتھ اپنے گنجے سر پہ ملتے ہوئے پوچھا۔ اس کی یہ آس بڑی مستقل مزاجی سے زندہ تھی۔

"جتنے کی بھی ہوئی ہوں' آپ سے پندرہ اٹھارہ سال چھوٹی ہی ہوں۔" اس نے حسب عادت عمر میں زبردست گھپلا مارا۔ پچھلے ہی مہینے اصغری نے بڑی دھوم دھام سے اپنی سالگرہ منائی تھی۔ لقمان نے دکان بند کر کے سارا صحن اور برآمدہ رنگ برنگی جھنڈیوں اور غباروں سے سجایا تھا۔ اصغری نے بے بے اور ابے کے ساتھ ساتھ اپنی آدھ درجن سہیلیوں کو بھی چائے پہ بلایا تھا۔ کیک کے علاوہ سموسے' چاٹ' گلاب جامن اور شامی کباب بھی بازار سے آئے تھے' ساتھ میں پورا کریٹ ٹھنڈی بوتلوں کا۔ اکبری نے کیک کٹنے پہ تالی کچھ اس زور سے پیٹی تھی جیسے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان نکی کا چہرہ لے رکھا ہو۔ تب سے جل بھن کے کلیجہ سیاہ ہو رہا تھا۔

"مجھے نئیں پتہ' میں بھی اپنی سالگرہ ایسے ہی مناؤں گی جیسے اصغری نے منائی تھی۔" اس نے ٹھنک کے پیر پٹختے ہوئے فرمائش کی۔

"اصغری کی سالگرہ..." وہ ٹھٹھا لگا کے ہنسا۔

"یعنی غباروں' جھنڈیوں والی سالگرہ... اس پینڈو لقمان سے اور امید بھی کیا رکھی جا سکتی ہے مگر مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اکبری بیگم! آخر میں ایک سنجیدہ اور باوقار آدمی ہوں۔"

اکبری کو اس کے سنجیدہ اور باوقار ہونے پہ تو کیا "آدمی" تک ہونے پہ بھی یقین نہ تھا' اس لیے کمر پہ ہاتھ رکھ کے شروع ہو گئی۔

"یوں کہو' میرے لیے دس روپے درجن ملنے والے غبارے لاتے ہوئے ساری ہوا نکلی جاتی ہے۔ میری خاطر چار پیسے خرچ کرتے ہوئے..."

"بات پیسے کی نہیں' اس کے استعمال کی ہے۔ خوامخواہ میں لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں حلق تک ٹھنسوانے سے کیا حاصل۔ کیا دے گئی تھیں اصغری کی سہیلیاں اسے۔ ایک تیس روپے والی گانوں کی کیسٹ دے گئی تو دوسری ایک ڈائجسٹ جو وہ پہلے ہی لے چکی تھی۔ تیسری نے تو حد کر دی' چھ عدد کیلے لفافے میں ڈال کے لے آئی۔ وہ بھی اتوار بازار والے سستے۔ اور تو اور تمہاری بے بے نے بھی دل کھول کے تحفہ نہ دیا۔ کیسا سستا سا ڈیکوریشن پیس پیک کر کے دے دیا۔ اتنا خرچا کرنے کے بعد لقمان کے پاس بھی اتنا پیسہ نہ بچا کہ وہ بیوی کو ڈھنگ کا تحفہ ہی دے پاتا' اس لیے میری مانو تو فائدے میں رہو گی۔ یوں شوبازی میں پیسے ضائع کرنے کے بجائے ہم دونوں آپس میں یہ دن منا لیں گے۔ تم اچھا سا سوٹ پہننا' شام کو ہم شالیمار باغ یا ریس کورس میں گھومنے جائیں گے' واپسی میں کسی اچھے ہوٹل سے کھانا' مارکیٹ سے تمہیں پیارا سا تحفہ خرید کے دیتے ہوئے گھر واپسی۔ کیوں' کیسا شاندار اور یادگار پروگرام ہے؟۔"

اس کی لچھے دار گفتگو پہ اکبری سوچ میں پڑ گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کسی کو کیا پتہ چلے گا' کیا فائدہ پیسے خرچ کرنے کا جب چار لوگوں کو پتہ ہی ناں چلے۔ سب تو یہی کہیں گے کہ..."

"تو تم اپنے تحفے دکھا دینا' ہوٹل میں کھانے اور گھومنے پھرنے کی تفصیلات بے شک دو ہفتے تک ہر آئے گئے کے سامنے دہراتی رہنا۔"

یوں حاتم نے اکبری کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے شیشے میں اتار لیا اور جب وہ اپنے سرتاج کا پروگرام بڑھا چڑھا کے اصغری کو سنا رہی تھی' تب اس کے چہرے پہ پھیلی طنزیہ مسکراہٹ تک نہ دیکھ سکی۔

اگلے دن صبح سے اکبری کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ پیڑھی پہ چڑھ کے وہ دیوار کے اس پار پڑوسیوں تک کو اطلاع دے چکی تھی کہ آج شام کو اس کے

اعزاز میں "حاتم جی" کیا سخاوت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ ساری دوپہر وہ مختلف الابلا تھوپ کے چہرے پہ نکھار لانے کی سرتوڑ کوششیں کرتی رہی۔

"بائیس روپے کلو آلو ہیں وڈی' جو تو ان دیدوں پہ کاٹ کے سجائے ہوئے ہے۔"

اصغری نے اس کی آنکھوں پہ رکھے آلو کے قتلے جھپٹ کے اٹھائے۔

"تجھے کیا تکلیف ہے۔ باورچی خانے کا سودا اکیلے تیرے بندے کی کمائی سے تو نہیں آتا۔ ایک ذرا سا آلو میرے استعمال میں آگیا تو تجھے کیا مروڑ اٹھ رہے ہیں۔"

"ذرا سا آلو...؟ ان بالوں میں ایک انڈہ' پاؤ بھر دہی' دو لیموں غرق ہو چکے ہیں۔ اس تھوبڑے پہ تو باری باری کیلے' ٹماٹر اور کھیرے کچل کے مل چکی ہے۔ اب شہد میں بادام کا تیل ملا کے تھوپا ہوا ہے۔ اتنا خرچا کس کے کھاتے میں جائے گا' میرے بندے کے ہی نا۔ تیرا بندہ تو آنہ آنہ گن کے خرچا ڈالتا ہے۔ وہ بھی بڑا احسان جتا کے۔"

"تمیز سے بات کر نکی! تو صرف میری نکی ہی نہیں' حاتم جی کی بھی نکی ہی ہے۔ ان کے نکے بلکہ بہت نکے بھائی کی بیوی۔ ادب سے بات کر۔"

"ارے بھائی ہو گا وہ لقمان کی نظر میں' میرے لیے تو..." ابھی وہ ہاتھ نچا کے اپنے دلی جذبات آشکار کرنا ہی چاہتی تھی کہ دیوڑھی سے اپنے جیٹھ کی جھلک دیکھ کے الفاظ اور لہجہ کمال درجے کی پھرتی کے ساتھ تبدیل کیا۔

"باپ کے برابر ہے۔" وہ لہجے میں ادب و احترام سمو کے کہہ رہی تھی۔

"میں نے اس میں جیٹھ اور بہنوئی کے ساتھ ساتھ ابے کو بھی دیکھا ہے۔ اتنی عزت کرتی ہوں لیکن وڈی! تو نے لقمان جی کو بہنوئی والا مان تو کیا دینا تھا' کبھی دیور والی محبت تک نہ دی۔ بڑی بھرجائیاں تو چھوٹے دیور کے کیسے کیسے لاڈ اٹھاتی ہیں۔"

"دفع..." اس نے نفرت سے ہاتھ ہلایا۔ اس کی صرف آنکھیں ہی چھوٹی نہ تھیں' نظر بھی کمزور تھی اور کان بھی عموماً" بند ہی رہا کرتے' اسی لیے نہ تو دیوڑھی میں دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے شوہر نامدار کو دیکھ سکی' نہ ہی اس کی پھٹپھٹی کی آواز سن سکی تھی۔

"ہٹاؤ... اتنا کا کا نہیں ہے وہ۔ رشتے میں چھوٹا ہے تو کیا ہوا' عمر میں تو دس بارہ سال بڑا ہو گا۔ اب اس بڈھے کاکے کو گودی کھلاتی پھروں۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ ڈالتی کہ اتنے میں حاتم دھپ دھپ کرتا اس کے پاس سے گزرا اور کمرے کا دروازہ دھڑ سے بند کرنے کے بعد پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کے چلایا۔

"اکبری..."

"جی آئی۔" وہ دوپٹے سے چہرے پہ لپا ملغوبہ صاف کرتی اندر کی جانب لپکی۔ اصغری نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بند دروازے کو دیکھا۔

"ہونہہ' بڑی آئی سالگرہ منانے والی۔ ابھی تیرا ختم دلاتا ہے تیرا حاتم طائی۔"

تھوڑی بہت گرما گرمی ضرور ہوئی مگر نتیجہ بہرحال اصغری کی توقع کے خلاف تھا۔ شام ہوتے ہی حاتم حسب وعدہ بنی سنوری اکبری کو لیے گھمانے کی نیت سے گھر سے نکلنے کو تیار تھا۔ اکبری نے اورنج کلر کی ساڑھی لپیٹ رکھی تھی جس کے بارڈر پہ گولڈن اور براؤن کلر کا بھاری کام تھا۔ براؤن اور گولڈن چیک کا بنارسی پھنسا ہوا بلاؤز تھا جس کی آدھی آستینوں کے کناروں پہ اورنج نگ ٹنکے ہوئے تھے۔ سارا دن کی رگڑائی کے بعد سفید رنگت پہ سرخ سرخ دھبے نمایاں تھے۔ ہونٹوں پہ براؤن آؤٹ لائن کے ساتھ اورنج چمک دار لپ اسٹک جی بھر کے تھوپی گئی تھی۔ اورنج کلر کے آئی لینس... ہائی ہیل کی گولڈن سینڈل' سونے کا بھاری سیٹ' ایک ہاتھ میں سونے کی تو دوسرے میں کانچ کی میچنگ چوڑیاں مشقت کے ساتھ چڑھائی گئی تھیں۔ فل تیاری کے ساتھ پھٹپھٹی پہ غصے سے بیٹھتے ہوئے اس نے ترچھی نظروں سے جھاڑ دیتی اصغری کو دیکھا جو لاپروا نظر آنے کی بھرپور کوشش

کررہی تھی۔

"اس جھاڑو کو چھوڑ نکی! باورچی خانے کی خبر لے۔ لگتا ہے دال لگ گئی' باہر تک بدبو آرہی ہے۔ جلدی سے چولہا بند کر' ورنہ رات کو جلی ہوئی دال کھانا پڑے گی' تیرے جلے ہوئے کلیجے کی طرح۔" آخری الفاظ اس نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے ادا کیے۔

لیکن واپسی پہ اس کا اپنا کلیجہ دھواں دے رہا تھا۔ وہ تن فن کرتی پھپھٹی سے اتری۔ جوڑے پہ ٹنگا کپڑے کا نارنجی بڑا سا پھول نوچ کے اتارا۔ وہیں برآمدے میں پھینک کے برابر والے صوفے پہ ڈھیر ہوگئی۔ حاتم نجانے کس طرح خطرے کی بو پاکے ڈیوڑھی سے ہی فرار ہوچکا تھا۔ اپنی شاہی سواری پارک کرنے کے بعد۔

اصغری نے اسے سینڈلیں اتار کے پرے پھینکنے کے بعد سوجے ہوئے پیر سہلاتے ہوئے دیکھا تو دل میں چھوٹے لڈوؤں کو چھپائے چہرے پہ فکرمندی اور تردد سجاکے اس کے پاس آبیٹھی۔

"کیا ہوا وڈی! کیا آج رستے میں پھر بائی جان کی موٹر سائیکل خراب ہوگئی۔ کہیں تجھے اس ساڑھی میں دھکا تو نہیں لگانا پڑا؟"

"دھکا اسٹارٹ تو میری زندگی ہوگئی ہے نکی! میرا حسن و جوانی اس ناقدرے کی جھولی میں بن مانگے گرا مگر اس نے رول کے رکھ دیا۔ کوئی اور ہوتا تو میرے پیر دھو دھو کے پیتا۔"

اصغری نے ناک چڑھا کے اس کے سوجے ہوئے پیر دیکھے۔

"ایک بات کہوں' پیر تو تجھے خود بھی دھونا چاہئیں' جتنی محنت منہ پہ کرتی ہے' اتنی کبھی کبھار... چلو زیادہ نہیں' مہینے' ڈیڑھ مہینے بعد ہی ان پیروں پہ بھی کرلیا کر۔ دیکھ کے جی متلاتا ہے اور تو چاہتی ہے پائی جان ان کی بنا بنا کے پئیں۔ کیا ان کو ہیضہ کرانا ہے۔" اس نے ابکائی روکی۔

"ہیضہ تو اب مجھے ہو کے رہے گا۔ ایسا شاندار کھانا کھلایا ہے۔" اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔

"ہوٹل کا کہہ کے ڈھابے پہ لے گئے' لکڑی کے بینچ پر بیٹھ کے چھولے اور چمڑے جیسے نان کھائے۔ آس پاس بیٹھے سارے رکشے والے اور قلعی کرنے والے مزدوریوں تماشا دیکھ رہے تھے جیسے کسی فلم کی شوٹنگ ہورہی ہو۔ تانبے کے ٹیڑھے میڑھے گلاس میں گندا پانی میں نے پینے سے انکار کیا تو برا منہ بناتے ہوئے ڈھائی روپے والی "ٹھاہ بوتل' لکڑ ہضم پتھر ہضم" پلائی وہ بھی سو احسان جتا کے کہ بغیر بوتل کے تیرے حلق سے روٹی نہیں اترتی۔ اور تو اور ریس کورس پارک کی سیر کرانے کے بجائے اتنی رات کو لارنس گارڈن لے گئے۔"

"ہاں' وہاں ٹکٹ جو کوئی نہیں۔" اصغری نے سرہلا کے کہا۔

"ہاں... نہ ٹکٹ... نہ کوئی لائٹ... گھپ اندھیرا... مچھر ہی مچھر اور کتے ہی کتے..."

"اور وہ تحفے جن کا وعدہ کیا گیا تھا؟" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہ وعدہ بھی پورا کیا مگر اپنے اسٹائل میں۔ گن کے پانچ تحفے دیے۔" اس نے تفصیل گنوانے سے پہلے مزید چند آنسو ٹپکائے۔

"ایک تو یہ گلاب کا پھول جسے لارنس گارڈن سے توڑنے سے پہلے چھ کے چھ گلے انہوں نے پڑھے تاکہ مغرب کے بعد پھول توڑنے پہ کوئی ڈائن پیچھے نہ پڑ جائے ——— سرا یہ تمباکو والا پان' اس میں بھی آدھا خود کھا گئے' اسی لیے تو میٹھا نہیں لے کے دیا' خود کو جو نہیں پسند۔ یہ باقی والا بھی منہ پہ ماروں گی۔ تیسرا تحفہ وہ نان چنے والا کھانا' چوتھا تحفہ وہ گھٹیا بوتل۔"

"اور پانچواں؟"

"ہائے اللہ۔" وہ غصے سے بھڑاس نکالتی اچانک شرم سے بیر بہوٹی ہوتی منہ پہ دوپٹہ رکھ کے دوہری ہوگئی۔

"اب ساری باتیں تو بتانے والی نہیں ہوتیں نا۔"

"صدقے جاؤں تیری شرم کے۔" اصغری کو سخت

تاؤ آیا۔ اس کا تو خیال تھا' سارے پروگرام کا بیڑا غرق ہوتے دیکھ کے اکبری گھر سر پہ اٹھالے گی۔ آج رات مفت کا شو دیکھنے کو ملے گا لیکن اس "پانچویں کھنے" پہ اس کا شرم سے لال گلابی ہونا بتا رہا تھا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی غصہ حاتم کے گھر آنے سے پہلے پہلے اتر چکا ہوگا۔

"بڑی جلدی واپسی ہوگئی بھابھی! یہ کوئی اچھی بات تو نہیں' اکیلے اکیلے خوشیاں منانا۔" لقمان بھی کمرے سے برآمد ہوا۔

"چلو خیر' یہ تو بتائیں کیا کیا عیش کیے' کیا کچھ کھایا پیا؟"

"حاتم طائی کی قبر پہ لات مار۔۔۔" ابھی وہ نئے سرے سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے جا ہی رہی تھی کہ لقمان پوری بات سننے سے قبل ہی بدک اٹھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بھابھی! بھائی جان کو تائی جی کی قبر پہ لات مارنے کا مشورہ دے رہی ہو۔ خدا کا خوف کرو۔ ٹھیک ہے تائی جی نے زندگی بھر ہمارا تو کیا' دنیا میں کسی کا بھلا نہ کیا ہوگا لیکن بہرحال بزرگ' بزرگ ہوتے ہیں۔ اب ایسا بھی اندھیر نہیں مچا کہ ہم اپنے بڑوں کی قبروں پہ ٹھڈے اور لاتیں مارتے پھریں۔"

"ہائے ہائے لقمان جی! وڈی کا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"جو بھی ہو' شکر کرو بھائی جان گھر پہ نہیں' ورنہ وہ بڑا برا مانتے۔ ان کے دل میں بزرگوں کے لیے بڑا درد ہے۔"

"بس نرا درد ہی درد تو ہے۔ اپنے دل میں نہیں سماتا' اس لیے ادھر ادھر بھی سوغات کی طرح بانٹتے پھرتے ہیں۔" اکبری جل کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

مینوں تیرے جیا سوہنا ہور لبدا ناں
بیٹھی رھواں تیرے کول لوں رجدا ناں

لقمان بڑے اسٹائل سے برآمدے کی دیوار پہ نصب آئینے میں بال بنا رہا تھا اور مستانی نظروں سے آئینے میں نظر آتے اصغری کے عکس کو گھور رہا تھا جو اس کے حسن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بڑے جذب کے عالم میں گنگنا رہی تھی۔

مینوں تیرے جیا سوہنا ہور لبدا ناں

"صحیح کہہ رہی ہو نکی! ایسا پیس قسمت سے ایک ہی بچا تھا اور ظاہر ہے وہ تیرے حصے میں ہی آنا تھا لیکن تیرا دل رجے نہ رجے (بھرے) اب اس کے گوڈے سے اٹھ اور باورچی خانے کی خبر لے۔ نو بج گئے ہیں اور ناشتے کی کچھ خبر ہی نہیں۔ پیٹ میں بھوک کے مارے بل اٹھ رہے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔ آج تو بے چارے حاتم جی بھی چائے خود ہی بنا کے اس میں سوکھی ڈبل روٹی ڈبو ڈبو کر ناشتہ کر کے گئے ہیں۔"

"تو تم بھی یہی ناشتہ کرلو۔ ویسے بھی مشرقی بیویوں کو زیب نہیں دیتا کہ شوہر تو روکھی سوکھی کھائے اور خود وہ چکنی چپڑی ہضم کریں۔"

"چکنی چپڑی مجھے ہضم ہی کہاں ہوتی ہے۔ کچھ بھی کھاؤں' اگلے منٹ نکل جاتا ہے۔ الٹیوں نے مت مار کے رکھ دی ہے لیکن کیا کروں' کھائے بغیر گزارا بھی تو نہیں۔ تجھے پتہ تو ہے میری حالت کا۔" اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کے چکرانے کی بھرپور اداکاری کی۔

"اصغری' سنبھال بھابھی کو۔" لقمان بے چارہ گھبرا گیا۔

"ہٹی کٹی ہے' پہلے ہی کوئی کام نہیں کرتی' اوپر سے اب نیا بہانہ مل گیا ہے پلنگ پہ چڑھ کے بیٹھنے کا۔ میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا سارے ٹبر کے ناشتے روٹی کا۔ میں اکیلی جان کیا کیا کروں۔ یہ تو بس اپنے کمرے میں جھاڑو لگا کے بیٹھ جاتی ہے' سارے گھر کی صفائی' دھلائی' کپڑوں کی دھلائی' ہانڈی روٹی' میں کیا کیا سنبھالوں۔ کیا یہ میری اکیلی کا گھر ہے۔ کہنے کو یہ بڑی بنتی ہے گھر کی مگر ذمہ داری کوئی لینے پہ تیار نہیں۔"

"تجھے پتا تو ہے میری طبیعت آج کل ٹھیک نہیں رہتی' ورنہ اپنا اور اپنے بندے کا ناشتہ میں خود ہی بنالی تھی۔ ایک ٹائم کے برتن بھی دھو لیتی تھی اور آٹا بھی

گوندھ دیا کرتی تھی۔ باقی کپڑے دھونے اور کھانا پکانے کا کام تو ہمیشہ سے تو کرتی آئی ہے۔ مجھے کب آتی ہے ہانڈی روٹی۔"

"تو کیا یہ میرے نصیبوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ اب کے کے گھر بھی میں ہی چاکری کروں۔ یہاں بھی میں ہی رگڑی جاؤں۔ یہ اچھا بہانہ ہے کہ مجھے کچھ آتا جاتا ہی نہیں۔ نہیں آتا تو سیکھ لے' اب اور کس عمر میں سیکھنا ہے۔ میری طرف سے صاف جواب ہے' آج کے بعد میں کسی کے کام کاج کی ذمہ دار نہیں۔ میری بلا سے کوئی بھوکا مرے' میں تو بس اپنا اور اپنے بندے کا کام کروں گی۔"

کام کے معاملے میں پچھلے آٹھ ماہ کے دوران دونوں کی کئی ہلکی پھلکی جھڑپیں ہو چکی تھیں' مگر ہر تلخ کلامی کے بعد بھی اصغری سارے گھر کا انتظام سابقہ خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے صاف اعلان کیا اور اس پہ قائم بھی رہی۔

گھر میں جیسے دھول مٹی اڑنے لگی' اصغری اپنے کمرے کی صفائی کرتی' اپنے اور اپنے میاں کے حصے کا کھانا پکاتی' اپنے اور میاں کے ہی کپڑے دھوتی۔ چار پانچ دن تک ایسا ہوتا رہا۔ حاتم باہر سے کھانا لاتا رہا۔ آخر چھٹے روز لقمان سے رہا نہ گیا۔

"کیا ہو گیا اصغری! اتنی کٹھور کیوں بن گئی ہے' بھرجائی تیری سگی بہن ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ وہ دوسرے جی سے ہے۔ مانا کہ تیری باتیں سچی ہیں لیکن یہ وقت ایسا نہیں کہ تو ضد لگا کے بیٹھ جا۔ مشکل وقت میں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔"

"بس لقمان جی! مجھے یہ پٹیاں نہ پڑھائیں۔" وہ منہ سر لپیٹ کر کروٹ بدل کے سوتی بن گئی۔

آخر دونوں بھائی سر جوڑ کے بیٹھے۔

"بات ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے لقمان! یہ دونوں سیدھے منہ ایک دوسرے سے بات کرنے کی روادار نہیں۔"

"میں نے تو سمجھانے کی کوشش کی تھی پر... ویسے تو اصغری میری ہر بات مان لیتی ہے لیکن اس بار ضد پہ اڑی ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے بے وقوف کہ وہ تمہاری ہر بات مان لیتی ہے جبکہ حقیقت میں وہ بڑی ہوشیاری سے تمہیں اپنی انگلیوں کے اشاروں پہ نچاتی ہے۔ جو کرنا چاہتی ہے' وہ طریقے کے ساتھ تمہارے منہ سے کہلواتی ہے اور پھر تابعدار بن کے تمہارا دل جیت لیتی ہے۔"

"یہ تو بھائی جان... آپ وہ بتا رہے ہیں جو آپ خود بھرجائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ میری اصغری کیا جانے یہ چالاکیاں.....؟"

"تیری بیوی نے تجھے الو کا گوشت کھلا رکھا ہے' تب ہی اس کے علاوہ تجھے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ "سوہنا' سوہنا" کہہ کے تیرا دماغ عرش پہ چڑھا رکھا ہے۔"

"وہ مجھے سچا پیار کرتی ہے۔" وہ بدبدا کے رہ گیا۔

"ہونہہ! تو اس سچے پیار کا واسطہ دے کر تو اپنی تابعدار' فرمانبردار اور سیدھی سادی بھولی بھابھی بیوی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ یہ ہٹ دھرمی چھوڑ دے اور گھر کے حالات میں جنگ کا ماحول نہ پیدا کرے۔ ادھر اکبری کا برا حال ہے۔ ایک تو طبیعت کی خرابی' دوسرے بہن کی بے رخی۔ مجھ پہ زور ڈال رہی ہے کہ میں اس کے لیے نوکرانی کا بندوبست کروں۔ اب بتا' سرکاری نوکری میں' میں یہ عیاشیاں کیسے برداشت کروں۔"

"ہاں' اس لیے میری بیوی کے روپ میں بن تنخواہ کے کام کرنے والی نوکرانی چاہیے۔"

"اچھا' کچھ عرصے کے لیے تو وہ یہ ضد چھوڑ سکتی ہے نا۔ یہ مشکل وقت نکل جائے تو پھر میں اکبری کو سیدھا کر کے رکھ دوں گا۔ دیکھتا ہوں کیسے برابر کا کام نہیں کرتی۔ فی الحال تو بیوی کے لیے مجھ سے تو اکھڑے انداز میں بات نہ کر۔ ایسا نہ ہو ان کی لڑائیاں ختم کرانے کی کوشش کرتے کرتے ہم خود جھگڑ پڑیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ اللہ اللہ کر کے ایسا موقع آیا ہے ہمارے گھر میں' برسوں بعد خوشی کی خبر آئی ہے اور

ہم....."

"ایک آئیڈیا آیا ہے میرے دماغ میں لقمان!" وہ پھڑک اٹھا۔

☼ ☼ ☼

"آیا تھا آج حاتم میرے پاس اپنی بیوی کی سفارشیں لے کر۔" لقمان نے پھل کا لفافہ اصغری کو تھماتے ہوئے بتایا۔ وہ چونکی کہ پہلی بار اپنے میاں کو بڑے بھائی کا نام لیتے سنا تھا' ورنہ وہ ہمیشہ بڑے ادب سے "بھائی جان" کہہ کے پکارا کرتا تھا۔

"نوکرانی میں وارے نہیں کھاتا اور اکبری سے کام کاج نہیں ہوتا۔ اس کا بلڈ پریشر بہت ہائی رہنے لگا ہے۔ ڈاکٹر نے صاف کہا ہے کہ گرمی میں کام کرنے سے بلڈ پریشر اور ہائی ہوگا جو اس کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ میں نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اتنی فکر ہے تو خود چھٹیاں لے کر گھر بیٹھ جاؤ اور بیوی کی خدمتیں کرو۔ میری اصغری کیا مفت کی نوکرانی ہے۔"

"کیا... آپ نے سچ مچ یہ کہہ دیا؟" وہ مشکوک سی تھی۔

"تو اور کیا؟ تو سچی ہے اصغری! واقعی ہم کیوں ان سے دب کر رہیں' کیا صرف اس لیے کہ وہ دونوں بڑے ہیں جبکہ صاف ظاہر ہے کہ زیادہ میں کماتا ہوں اور گھر پہ خرچا بھی زیادہ میری جیب سے ہی ہوتا ہے۔"

"اچھا یہ تو بتائیں لقمان جی! کیا واقعی اکبری کو بلڈ پریشر بہت زیادہ رہنے لگا ہے؟" پچھلے ایک ہفتے سے دونوں میں بات چیت بند تھی۔

"پتا نہیں' ہو سکتا ہے۔ کھاتی بھی تو اتنا ہے۔ جتنی چربی چڑھائی ہے اتنی بیماریاں تو لگیں گی۔ خیر اب دیکھنا کیسے دنوں میں ساری چربی پگھلتی ہے۔ تم کام سے ہاتھ روک کے رکھو' میں خرچے سے روکتا ہوں۔ اب صرف اتنا ہی سودا ڈالوں گا جتنا ہم دونوں کے لیے کافی ہو اور وہ بھی یہاں کمرے میں تالے لگا کے رکھنا' ورنہ وہ تمہاری چٹوری بہن سب کھا پی جائے گی۔ لو' تم یہ انگور چکھو' بہت میٹھے ہیں اور خاصے مہنگے ملے ہیں اور سوات کے سیب... ان کا جوس بہت عمدہ نکلتا ہے۔"

اصغری نے بڑے شوق سے انگور کے دانے ٹونگے مگر نجانے کیوں اسے نگلنے دشوار ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"اور کوئی بات نہیں' اصل میں یہ سب حسد اور جلن کی وجہ سے ہے۔" حاتم نے فتویٰ صادر کیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہو جی! یہ نکی تو ہمیشہ میری خوبصورتی اور صحت سے جلتی رہی ہے۔ اپنا رنگ جو دھوئیں جیسا اور وجود سوکھی لکڑی جیسا ہے۔" اکبری نے تائید میں سر ہلایا۔

"یہ حسد اب اور شکل اختیار کر گیا ہے۔ تم دونوں کی شادی اکٹھے ہوئی' اکٹھے گھر بسے لیکن تم پہلے ماں بن رہی ہو جبکہ ادھر ابھی دور دور تک آثار نظر نہیں آتے' اسی لیے مارے جلن کے الٹی سیدھی حرکتیں کر رہی ہے۔"

"واقعی؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میرا دل نہیں مانتا۔ چلو اور باتوں میں جلن حسد چلتا رہتا ہے لیکن میری اتنی بڑی خوشی پہ وہ کیسے دل مار کے بیٹھ سکتی ہے۔ اسے تو سن کر بڑی خوشی ہوئی تھی' تب تو..." لیکن حاتم نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

"تب دنیا دکھاوے کے لیے خوشی کا اظہار کرنا پڑا تھا لیکن اندر سے اس نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب تمہیں تنگ کر کے رکھنا ہے' اسی لیے تو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ سب کیا ہے۔ ادھر تمہاری حالت خراب ہے' ادھر اس نے گھر کے حالات خراب کیے ہیں تاکہ ٹینشن اور پریشانی سے تمہاری صحت پہ برا اثر پڑے۔"

"شاید... چالاکیاں تو واقعی اسے بہت آتی ہیں۔"

"اور لقمان ٹھہرا الو کا... اسے تو اندھا کر کے رکھا ہے تمہاری بہن نے۔ میرا تو دل نہیں چاہتا ان دونوں کی شکل دیکھنے کو۔ تھڑدلے' کمینے لوگ۔ میرا بھائی پہلے ایسا نہیں تھا مگر بیوی کی محبت میں اس کا خون بھی

سفید ہوگیا ہے۔ خیر اللہ دیکھ رہا ہے۔ دوسروں کی خوشیوں پہ کلسنے والے خود بھی کبھی خوش نہیں رہتے۔"

اس کھلی بددعا پہ اکبری کا دل کانپ کے رہ گیا اور وہ بے ساختہ "اللہ نہ کرے" کہہ اٹھی۔

☼ ☼ ☼

شادی سے پہلے بھی یہ ان کا معمول تھا۔ روزمرہ کی جھڑپوں کے علاوہ ہر مہینے پندرہ دن بعد ایک زوردار جنگ ہوتی۔ تین چار دن تک زبانی کلامی فائرنگ اور گولہ بارود کی بمباری جاری رہتی۔ اگلے دو تین دن منہ پھلائے گزرتے۔ بالآخر جھگڑے کے چھٹے نہیں تو کم از کم ساتویں دن صلح ہو ہی جایا کرتی مگر وہ ماں باپ کا گھر تھا اور وہ لڑائیاں دو اوپر تلے کی بہنوں کی تھیں۔ غیر شادی شدہ، غیر ذمہ دار اور الھڑ لڑکیوں کی۔ جبکہ یہ گھر ان دو لڑکیوں کا تھا جو شادی شدہ زندگی میں داخل ہونے کے بعد ذمہ دار گھریلو عورتیں بننے کے مرحلے میں داخل ہو رہی تھیں۔ اب ان جھڑپوں کو بہنوں کی کھٹ مٹھی نوک جھونک کے بجائے دیورانی جٹھانی کے روایتی جھگڑوں کے تناظر میں لیا جا سکتا تھا اور ان کے مابین کشیدگی دونوں بھائیوں کے آپس کے تعلقات پہ بھی اثر انداز ہو سکتی تھی۔

اس خطرے کو سب سے پہلے حاتم نے بھانپا تھا اور اس کے سدباب کے لیے یہ منصوبہ بنایا۔ وہ جانتا تھا کہ اکبری اور اصغری مزاجاً" مشرق مغرب ہی سہی، دونوں کے درمیان بے شک ہر معاملے میں بے شمار اختلافات سہی مگر ہیں تو بہنیں۔ فطرتاً" دونوں گرم مزاج ہیں مگر ایک دوسرے کی دشمن تو نہیں ہو سکتیں۔ اگر دونوں کو زبردستی قریب لانے کے بجائے، یہ احساس دلایا جائے کہ ان کے یہ معمولی اختلافات بگڑ کے سنگین صورت حال بھی اختیار کر سکتے ہیں تو شاید اپنی اپنی جگہ دونوں کو اپنے رویوں کا احساس ہو۔ اب اس عمر میں وہ اپنی بیویوں کی بچپن کی پکی عادتیں تو بدلنے سے رہے۔ بس یہی ایک طریقہ تھا گھر کا ماحول پرسکون بنائے رکھنے کا۔

طبیعت کے لحاظ سے حاتم اور لقمان میں بھی واضح فرق تھا۔ حاتم فطرتاً" سنجیدہ مزاج، قدرے روکھا، کنجوس اور چالاکی کی حد تک سمجھ دار تھا، جبکہ لقمان فطری طور پہ ہنس مکھ، سادہ دل، شاہ خرچ اور حماقت کی حد تک سیدھا تھا۔ اس کے باوجود دونوں میں کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آسکی۔ حالانکہ ان کے سر سے والدین کا سایہ بھی مدت ہوئے اٹھ چکا تھا۔ حاتم اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتا اور اپنی سختی کی وجہ سے لقمان کی حماقتوں کو کنٹرول میں رکھتا جبکہ لقمان ذرا سی پس و پیش کرنے کے باوجود دل سے بڑے بھائی کی حاکمیت اور برتری کو تسلیم کرتا تھا اور اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتا تھا۔

دونوں کی پُرامن زندگی منتشر ہو کے رہ گئی۔ جب اکبری اور اصغری کی صورت میں ان کے پرسکون آنگن میں دو محاذ کھل گئے۔ اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ دونوں بہنیں دل کی بری نہیں اور ہر بڑے جھگڑے کے بعد چند دن کی ناراضی دکھانے کے بعد ان میں پھر سے تعلقات بحال ہو جاتے ہیں لیکن وہ چند دن بھی ان دونوں پہ بھاری گزرتے تھے۔ روز روز کا یہ تماشا خصوصاً" حاتم کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا، اس لیے اس نے یہ پلان بنایا۔

"اب تمہیں وہی کرنا ہے جو میں کہوں۔"

"لیکن بھائی جان! میں کیسے آپ کے بارے میں۔۔۔" وہ یہ گستاخی کرنے کے تصور سے ہی ہراساں تھا۔

"احمق! تمہیں کون سا دل سے یہ سب کرنا ہے۔ ذرا سی ڈرامے بازی کرے گا تو تیرا ہی بھلا ہو گا۔ زندگی آرام سے گزر جائے گی، ورنہ روز کی یہ کل کل۔۔۔ یہ چخ چخ۔۔۔ کل کو ہمارے بچے بھی اپنی جاہل ماؤں کی دیکھا دیکھی یہی کچھ سیکھیں گے۔ سارے گھر میں اٹھا پٹخ اور تو تو میں میں ہو رہی ہو گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے بھائی جان! کہ اس کا نتیجہ الٹ نکل آئے۔ وہ دونوں پہلے ہی ایک دوسرے کی

شکلوں سے بیزار ہیں' ہمارے اس پلان کی وجہ سے ہو سکتا ہے بالکل ہی کٹ کر رہ جائیں دونوں بہنیں۔"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" حاتم نے پورے وثوق سے کہا۔

"دیورانی جٹھانی الگ ہو سکتی ہیں لیکن دو بہنیں اور وہ بھی ایسی بہنیں جو اس کے علاوہ اور خون کا رشتہ نہ رکھتی ہوں' نہ کسی اور بہن کا نہ کسی اور بھائی کا۔۔۔ وہ ایک دوسرے سے کٹ ہی نہیں سکتیں۔ جب ہم انہیں زبردستی ایسا کرنے پہ مجبور کریں گے تو دیکھنا انہیں "لگ پتا جائے گا۔" اور دونوں نے پلان کے مطابق ایسا ہی کیا۔ پہلے بہانے بہانے سے ان کے موقف کی تائید کرتے ہوئے انہیں ان کے طرز عمل میں بالکل حق بجانب ٹھہراتے ہوئے ان کی مکمل حمایت کی اور پھر ایسا ظاہر کیا کہ جیسے وہ دونوں بھائی خود بھی اب ایک دوسرے سے نالاں رہنے لگے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اپنی اپنی بیویوں کو سنایا جاتا۔

"یہ چھوٹا اپنی کمائی پہ زیادہ ہی اکڑنے لگا ہے' اس کی اوقات کیا ہے۔ آخر ہے تو دودھ دہی والا۔ بس اب میں اس کے ساتھ اور نہیں رہ سکتا۔ کل کو میری اولاد پہ کیا اثر پڑے گا اس اونچ نیچ کا۔ وہ لوگ کیا کھاتے ہیں اور ہم۔۔۔ ہم یہ نان چھولے' روٹی چٹنی۔۔۔ میں اپنے بچوں کو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ اب اس گھر کا بٹوارہ ہو کے رہے گا۔ عمر بھر اس کی شکل نہ دیکھوں گا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں حاتم جی! بھائی بھائی میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے' اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ بالکل ہی الگ ہونے کی بات کریں۔"

"اس کی نوبت تم دونوں بہنوں کی وجہ سے آئی ہے۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے لڑ مر کے پھر ایک ہو جانے کی مگر مردوں میں یہ ذرا ذرا سے اختلافات عمر بھر کی دشمنی میں بدل جایا کرتے ہیں۔ اتنا اکٹھا رہنے کا شوق تھا تو اپنی ذمہ داری کو جاننا تھا' گھر گرہستی والی عورت بن کے رہنا تھا یا پھر تمہاری بہن ہی دل بڑا کر لیتی۔ آج تم دونوں کی وجہ سے ہم بھائیوں کے دل میں بال آیا ہے۔ اب تم دونوں کو بھی ہماری وجہ سے یہ بھولنا ہو گا کہ تم میں کوئی خون کا رشتہ ہے۔"

ادھر لقمان' اصغری کو دھمکا رہا تھا۔

"آج بھائی صاحب نے منہ پھاڑ کے کہہ دیا کہ تمہاری بیوی میری بیوی پہ کالا جادو کرتی ہے' اسی لیے اس کی صحت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے بھی کہہ دیا اصغری کو کیا ضرورت ہے فضول لوگوں پہ فضول وقت ضائع کرنے کی۔ یہ صحت خراب اس لیے ہو رہی ہے کہ اب میری دکان سے سیروں کے حساب سے ان کے لیے دودھ' دہی اور ملائیاں نہیں آتیں۔ میری کمائی کے پھل اور مٹھائی کھانے کو نہیں ملتے۔ اب اپنی تنخواہ کے تین ساڑھے تین ہزار سے بیوی کے چسکے پورے کرو تو جانوں۔ اب ہوش ٹھکانے آئے ہیں جب فاقے کرنے پڑ رہے ہیں۔"

اس کے لہجے میں کمال درجے کی حقارت تھی۔ اصغری تو لفظ "فاقے" پہ ہی سن ہو کے رہ گئی۔ اسے پتہ تھا' اکبری بھوک کی کتنی کچی تھی۔

"آپ کم از کم اپنے بھائی کے لیے تو ایسے الفاظ نہ استعمال کریں' انہیں کتنا دکھ ہو گا۔ اگر خدانخواستہ وہ سن لیں۔"

"سن لیں۔۔۔؟ میں کھری کھری سنا کر آ رہا ہوں۔ مجھے اب کسی کا لحاظ نہیں رہا۔ جو میری بھولی بھالی اصغری پہ الزام لگائے' اسے حسد کا مارا کہے' میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں اور مجھے نہیں پتا' اسے دکھ ہوا یا نہیں۔ البتہ غصہ ضرور آیا تھا۔ آپے سے باہر ہو رہا تھا' بٹوارے کی دھمکی دے رہا تھا۔"

"تو کیا حالات اتنے بگڑ چکے ہیں؟" وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"یہ تو ہونا ہی تھا۔ خون تو ہم دونوں کا خاندانی گرم ہے۔ میرے چاچا اور تایا دونوں میں پینتالیس سال پہلے ایسا ہی جھگڑا ہوا تھا' آج تک ان کی اولادیں اپنے اپنے باپ کی دشمنی نبھا رہی ہیں۔ دس سال پہلے تایا فوت ہوا تو چاچا اگلی گلی میں رہنے کے باوجود نہ منہ دیکھنے آیا' نہ کاندھا دینے۔ اپنی بیویوں اور بچوں کو بھی قسم دے دی' اسی قسم کی وجہ سے دو سال پہلے جب

چاچا بھی گزر گیا تو تایا کے گھر سے کوئی افسوس کرنے نہ آیا۔ پینتالیس سال سے دونوں کے گھر والوں نے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھی۔ اب اگر حاتم صاحب بٹوارے پہ اتر آئے تو سمجھو' یہی تاریخ دہرائی جائے گی۔ ان کے لیے ہم مر گئے اور ہمارے لیے۔۔۔"

"اللہ نہ کرے' ایسا نہیں کہتے لقمان جی!"

"بھئی! ہم دونوں بھائی ہیں ذرا الٹے دماغ کے۔ ایک بار جس بات پہ دل کھٹا ہو گیا' سو ہو گیا پھر دل صاف ہونے کی گنجائش نہیں رہتی اور تمہیں کیا اعتراض ہے؟ یہ حالات پیدا بھی تو تمہاری وجہ سے ہوئے ہیں۔"

"لیکن میں یہ تو نہیں چاہتی تھی کہ ہم دشمن بن جائیں۔ ایک دوسرے کی شکل کو ترسیں۔ میرا میکہ ہے ہی کیا؟ بڈھا ابا' بڈھی بے بے۔۔۔ اور لے دے کے یہ ایک ہی ایک بہن۔" اس کے آنسو نکل آئے۔

"ایک ہی بار رو لو' جتنا رونا ہے۔" اس کے بے رحم لہجے نے آنسوؤں میں روانی پیدا کر دی لیکن لقمان یوں بن گیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

کسی نہ کسی طرح حاتم نے صرف کپڑوں کی ہفتہ وار دھلائی کے لیے ایک ملازمہ رکھ ہی دی کیونکہ اکبری کی طبیعت واقعی خراب رہنے لگی تھی۔ البتہ روز روز بازار کا کھانا لانے سے اس نے صاف انکار کر دیا کیونکہ ناقص معیار اور تیز مسالہ جات کی وجہ سے اس کا اپنا معدہ خراب رہنے لگا تھا۔ ناچار اکبری رودھو کے جیسا تیسا سالن بھی بنا لیا کرتی۔ روٹیاں بنانے سے انکار کرنے کی نوبت نہ آئی کیونکہ اس کے ہاتھ کی روٹی ایک ہی بار کھانے کا تجربہ کرنا حاتم کے لیے اتنا ہولناک تھا کہ وہ اس کے کہے بغیر خود ہی گھر آتے ہوئے تندور سے روٹیاں لگوا کے لے آتا۔ آج پتا نہیں کیسے وہ روٹیاں لانا بھول گیا تھا۔

"تو کھانا لگا' سالن وغیرہ گرم کر اور اگر اللہ توفیق دے تو کبھی چٹنی' سلاد بھی بنا لیا کر۔ چل اور کچھ نہیں تو ایک کھیرا ہی کاٹ کے رکھ دے' میں روٹی پکڑ کے لایا۔"

"یہ چونچلے نہیں ہوتے میرے سے۔" اس نے جاتے ہوئے سرتاج کی پشت کو گھورتے ہوئے با آواز بلند پکار کے کہا پھر اس کے پلٹ کے جواباً گھورنے پہ بڑبڑانے لگی۔

"اچھا۔۔۔ لیکن کاٹوں گی نہیں' بس چھیل کے رکھ دوں گی۔"

"اور یہ احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔" اس نے جل کے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا۔

اس وقت لقمان اور اصغری اپنے کمرے میں بیٹھے ایئر کولر کی ٹھنڈی ٹھنڈی نم ہوا کے مزے لیتے کھانا کھا رہے تھے۔ اصغری نے چنے کی دال کی کھچڑی بنائی تھی جس کے ساتھ لوکی کا رائتہ اور لیموں والی رنگ برنگی باریک کٹی سلاد تھی۔ ہری مرچ اور لسوڑے کا اچار بھی تھا۔ چونکہ لقمان دوپہر کے وقت چپاتی ضرور لیتا تھا' اس لیے اس نے رات کا بچا ہوا آلو قیمے کا سالن گرم کر کے ساتھ دو پھلکے بھی ڈال لیے تھے۔ لقمان نے پھولے ہوئے گرما گرم پھلکے کا لقمہ توڑتے ہوئے کہا۔

"مال چیز ہو اصغری! پتا ہے' میں تو دوپہر کے کھانے کا مزہ ہی بھول گیا تھا۔ روز بازار سے نان کے ساتھ حلیم' پکوڑے' چنے کھا کھا کے دل بیزار ہو گیا تھا اور رات کو بھائی جان کے ہاتھ کی پکی پتلی پتلی دالیں اور گلی سڑی سستی بے موسمی سبزیوں کے شوربے دار سالن۔۔۔ جب سے تیرے ہاتھ کا چسکا لگا ہے' دکان چھوڑ کے بھاگا بھاگا کھانا کھانے آتا ہوں۔"

اصغری دل ہی دل میں پھولے نہیں سمائی مگر انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر جھکا کے کسی نیک پروین بی بی کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے برہم سروں میں کہنے لگی۔

"یہ تو آپ کی محبت ہے جان جی! ورنہ میں ناچیز کس قابل یا شاید یہ بات ہو کہ آپ کے لیے پکاتے ہوئے میں مسالہ نہیں' کھانے میں پیار گھولتی ہوں۔"

"میں کس قدر خوش قسمت ہوں۔" لقمان نے

خوش دلی سے کہا۔
"بس اپنی اپنی قسمت ہے' ورنہ حاتم بھائی صاحب کو ہی دیکھ لو' ساری عقل مندی دھری کی دھری رہ گئی ہے۔ بڑا خود کو ہشیار چالاک سمجھتے تھے۔ کہتے تھے' میں تو دنیا جیب میں ڈالے پھرتا ہوں اور اب زنانی خیر سے ایسی ملی ہے کہ اس نے ان کو ہی ڈبی میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ سارے کس بل نکل کے رہ گئے۔ دھوپ میں جلتے بھنتے گھر آئے ہیں' اب پھر نکلنا پڑا ہے۔ دس پندرہ منٹ تندور کی آگ کے پاس منہ سینکنے کے بعد چار روٹیاں لگوا کے لائیں گے' وہ بھی سخت اور اکڑی ہوئی۔۔۔ کھا کے معدہ ہی چیخیں مارنے لگ جاتا ہے اور پھر ہماری بھرجائی صاحبہ نے جو سالن پکایا ہو گا' واہ جی واہ۔۔۔ ایسے اچھوتے اور وکھری ٹائپ کے آئیڈیے ان کو ہی آسکتے ہیں۔ کبھی بینگن چاولوں میں ڈال کے عجیب لئی جیسا ملغوبہ بنا کے اسے "بتاؤں پلاؤ" کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی شلجم کے گول قتلے کاٹ کے پاپڑ کی طرح تل لیتی ہیں اور اوپر نمک' چاٹ مسالہ چھڑک کر اسے فخر سے "گونگلو کباب" کہا جاتا ہے۔ اس دن پالک میں اروی ڈال کے پکائی ہوئی تھی اور وہ بھی شوربے والی۔ پرسوں تو رمہ مسالے کا پورا پیکٹ ڈال کے مسور کی ٹرکے والی دال پکائی تھی۔ آج پتہ نہیں کیا چن چاڑھا (چاند چڑھا) ہو گا۔"

اس نے منٹوں میں دونوں چپاتیوں کا صفایا کرنے کے بعد اب چاول کی ڈش اٹھائی۔

"پیٹ تو بھر گیا ہے لیکن اتنی خوشبودار کھچڑی کو نہ کھانا زیادتی ہو گی۔ ویسے بھی نیت تو ابھی نہیں بھری نا۔ چلو دو چار چمچے چکھ ہی لیتا ہوں۔"

"میں نے ابھی تین پاؤ چاول ڈال دیے۔ میرا پیٹ اور نیت تو آپ کی تعریفوں سے ہی بھر گئے۔ مشکل سے آدھی پلیٹ کھائی گئی ہے۔ رات کے لیے رکھنے کے بعد بھی چاول بچ جائیں گے۔ ہائے۔۔۔۔ ہائے۔۔۔ رزق کا زیاں۔۔۔۔"

"کسی مانگنے والے کو دے دینا۔ ساری دوپہر ہی دروازے کھڑکاتے پھرتے ہیں کم بخت۔" اس نے دو چار چمچوں کا کھا کے آدھی ڈش پلیٹ میں نکال لی۔

"ہاں۔۔۔ لیکن۔۔۔۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کہہ ہی اٹھی۔

"ایک پلیٹ چاول نکال دیتی ہوں' انہیں دے آؤ' تمہارے بھائی جان کو کتنے پسند ہیں۔" اس نے جان بوجھ کر حاتم کا نام لیا' ورنہ چاولوں کے لیے تو اکبری جان دیتی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ اب وہ اپنے گھر بار والے ہیں۔ اپنا اپنا پکانا ہے اور اپنا اپنا کھانا ہے' یہی طے ہوا تھا۔"

"لوگ ہمسایوں کو بھی تو دے دیتے ہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"ہاں اگر ہمسایوں سے تعلقات اچھے ہوں تو۔" وہ اس سے بھی تیز لہجے میں بولا۔

"ضد نہیں کرتے سوہنے! دل میں اتنی کدورت پالنا اچھی۔۔۔" وہ تیزی طراری کو بے کار جان کے اب اپنے سدا بہار ہتھکنڈے پہ اتر آئی مگر اس سے پہلے کہ یہ میٹھا وار نشانے پہ بیٹھتا' اچانک کچن سے کچھ عجیب سی آوازیں آئیں۔

"یا اللہ خیر۔۔۔ یہ باورچی خانے میں کیا سیاپا پڑ گیا۔" وہ اٹھنے لگی۔

"کچھ نہیں' کوئی چیز گری ہو گی۔" لقمان نے لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھایا۔

"ہاں۔۔۔ کوئی کانچ کی چیز ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔ شاید گلاس ٹوٹا ہو گا۔ وڈی کے ہاتھ میں تو سوراخ ہے' ایسے ہی چیزیں توڑتی رہتی ہے۔"

"کانچ کی چیز کے ٹوٹنے کی آواز چھن کے ساتھ آتی ہے جبکہ میرے کانوں تک ٹھاہ اور دھڑام کی آوازیں آئی ہیں۔ لگتا ہے دیگچے یا کوئی اور بھاری چیزیں بھی گرائی ہیں تمہاری "کامی" (سگھڑ) بہن نے۔"

"نہیں جی۔۔۔ صرف چھن کی آواز آئی تھی۔"

"لگالو شرط۔۔۔ یہ جو کانوں پہ بالوں کے گلدستے بنا کے گرائے ہوئے ہیں نا' انہیں اٹھا کے سنا ہوتا تو ٹھاہ

اور دھڑام بھی سنائی دیتا۔" وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی دیکھ کے آتا ہوں۔"

چند سیکنڈ بعد اس کی واپسی عجیب فاتحانہ سی چال کے ساتھ ہوئی۔

"دیکھا... میں نہ کہتا تھا۔" وہ جتاتے ہوئے پھر سے فرشی دسترخوان پہ پھسکڑا مار کے بیٹھ گیا اور اپنی کھچڑی والی پلیٹ پہ دل جمعی کے ساتھ سلاد اور رائتے وغیرہ کی آرائش کرنے لگا۔ چند سیکنڈ صبر کے ساتھ اصغری نے اس کارروائی کو دیکھا اور پھر بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا تھا؟"

"ٹرے تمہاری بہن کے ہاتھ میں تھی' ٹرے ہلنے سے اس پہ رکھا پانی سے بھرا جگ نیچے گر کے چکنا چور ہو گیا۔"

"دیکھا' آخر میری بات ہی صحیح تھی۔" اصغری اپنے درست اندازے پہ گردن اکڑا کے بولی۔

"غلط... تم نے گلاس ٹوٹنے کی بات کی تھی۔" اس نے چاولوں سے بھرے منہ کے ساتھ بمشکل فقرہ ادا کیا۔

"جی نہیں' میں نے کانچ کی چیز ٹوٹنے کا کہا تھا' چھن کی آواز ایسی ہی چیز کے ٹوٹنے سے آتی ہے۔ آپ تو جی پتہ نہیں کون سے ٹھاہ' دھڑام کرا رہے تھے۔"

"غلط میں بھی نہیں تھا اصغری جی!" لقمان نے ایک اور چمچہ منہ میں ٹھونسا۔ اچھی طرح جگالی کرنے کے بعد بتایا۔

"اس کے بعد پورے کا پورا ٹرے بھرجائی کے ہاتھ سے نیچے جا گرا۔ یہ ٹھاہ کی آواز اسی اسٹیل کے ٹرے اور ڈونگے کی تھی۔"

"ہائے... ہائے... پورا ٹرے... سالن بھی گر گیا ہو گا؟"

"صرف سالن...؟" اس نے پانی کا گھونٹ بھر کے لقمہ نگلا۔ انگلی کے ساتھ رائتے کے پیالے کے کنارے چاٹے اور سکون سے دو تین ڈکاریں لینے کے بعد انکشاف کیا۔

"بھرجائی خود بھی پوری کی پوری نیچے آن گری۔ وہ آخری دھڑاک والی آواز اسی کے وجود کے گرنے کی تھی۔"

اصغری پہلے تو منہ اور آنکھیں دونوں پوری طرح پھاڑے اپنے مجازی خدا کے سکون بھرے انداز پہ غور کرتی رہی اور پھر چلا اٹھی۔

"اور آپ اب بتا رہے ہیں' آدھی پلیٹ صاف کرنے کے بعد۔ وہ وہاں گری ہوئی ہے اور خود اتنے آرام سے اپنے اندازوں کی درستی پہ واہ واہ کر رہے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر اٹھی مگر لقمان نے دوبارہ اسے کھینچا۔

"اس کا شوہر اسے "ڈھو" کر کمرے میں لے جا چکا ہے۔"

"ڈھو" کر؟"

"ہاں تو کیا اٹھا کے لے جاتا؟ تاکہ خود بھی اٹھ جاتا۔"

"میں ذرا دیکھ کے تو آؤں۔" وہ بار بار اٹھ کھڑی ہوتی۔

"بیٹھ جاؤ آرام سے۔ کوئی ضرورت نہیں بڑی اکڑ ہے ان دونوں میں۔ میں آگے آیا تو بھائی صاحب تن کے بولے' اپنے کام سے کام رکھو' اب اگر بہن ـــــ بھی کچھ الٹا سیدھا کہہ ڈالا تو آج اس گھر میں چاقو چھریاں نکل آئیں گی۔"

وہ ٹھنڈی ہو کے بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اکبری بہت دیر سے تیار ہو کے بیٹھی تھی۔ آج اسے ہسپتال ماہانہ چیک اپ کے لیے جانا تھا اور بے بے کا انتظار تھا۔ "لگتا ہے بے بے آ گئی۔" وہ چادر سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاتم جو ڈیوڑھی کے نزدیک برآمدے میں کھڑا شیو بنا رہا تھا' داخلی دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھ جا... بیٹھ جا... کوئی نہیں دروازے پہ۔"

"رکشے کی آواز آئی ہے۔"

"یہ رکشے کی آواز نہیں۔ چھوٹا اندر کھنکھار رہا

ہے' شاید غرارے کر رہا ہے' کھالی ہوگی اپنی دکان کی کھٹی دہی۔" اس نے جھاگ اڑاتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر لگادی بے بے نے۔ اب تک تو برآرش ہوگیا ہوگا۔ سرکاری ہسپتالوں کا یہی تو سیاپا ہے۔ مفت کا جان کے سارا شہر آجاتا ہے اب تک تو سو عورتیں تو آچکی ہوں گی۔ میں کہے دیتی ہوں حاتم جی! اگر اور پندرہ منٹ تک بے بے نہ آئی تو آپ ٹھٹھے لے کے جائیں گے جاتے ہوئے چھٹی ہی کیوں نہ کرتی جائیں۔ کیونکہ ڈیوٹی ساڑھے بارہ بجے تک بنتی ہے۔ میں ساڑھے بارہ بجے وہاں جاکے پرچی بنوا بھی لوں تو باری آتے آتے دو سے اوپر کا وقت ہوجائے گا۔"

"اگر میرے ساتھ ہی جانا تھا تو پہلے بتاتیں' میں اب تک کچھ دھونا دلانا بھی لے آتا۔ کیونکہ آج میری ڈیوٹی ساڑھے بارہ بجے تک ہے لے کے رات کے نو بجے تک ہی آسکتا ہوں۔ اب بس میں نکلنے ہی والا ہوں۔ صبح سے بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی بے بے کے ساتھ جانے سے بھول بھال گئی ہوگی۔ بے بے کو بھی وقت بے وقت طبیعت خراب کرنے کی سوجھتی ہے۔ ان کا ریکارڈ ہے ہمیشہ اسی وقت بیمار پڑی ہے جب نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے اکبری! بھلا کوئی بیماری بھی بتا کے آتی ہے کہ اسے دروازے پہ روک لیا جائے یہ کہہ کر کہ بی بی' ابھی وقت ہے نہ مناسب موقع' کسی اچھے دن فرصت میں آنا تو سواگت کریں گے۔"

"اب میں ہسپتال کیسے جاؤں' کس کے ساتھ جاؤں؟" وہ کن اکھیوں سے اصغری کے نیم وا دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے با آواز بلند واویلا مچانے لگی۔

حاتم اس کا مطلب بھانپ گیا۔

"کل لے جاؤں گا۔ ادھر ادھر آس لگانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کسی کا احسان نہیں چاہیے۔" اس نے گھرکا۔ لقمان تولیے سے منہ رگڑتا باہر نکلا۔

"انکار اس چیز کو لینے سے کرتے ہیں جو دی جارہی ہو۔ تم پہ یا تمہاری بیوی پہ احسان کر کون رہا ہے جو تم اتنی اکڑ دکھا رہے ہو۔"

"اوئے' تیری ہمت اتنی بڑھ گئی کہ اب میرے منہ لگ رہا ہے۔ سچ ہے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔" حاتم بھڑک اٹھا۔

"کیا...؟ کیا...؟ تم نے مجھے اور میری بیوی کو خربوزہ کہا؟ خربوزہ تو تمہارے ماتھے پہ سجا ہوا ہے۔" اس نے بھائی کی چمکدار ٹنڈ کو دیکھ کے کہا۔

"اتنی گستاخی؟ اس قدر بے ادبی... اس حد تک بد لحاظی اور زبان درازی۔" وہ جلال میں آکے پوری لغت

کھول کے بیٹھ گیا۔

"دیکھا اکبری! تمہاری بہن نے کیسے میرے سیدھے سادے بھائی کو جلیبی جیسا کردیا ہے' کیسے اپنا اثر ڈال کے اسے بدتمیز اور بدزبان بنادیا ہے۔"

"یہ آپ اپنے بھائی کے ساتھ لڑائی میں بار بار اصغری کو کیوں گھسیٹ لیتے ہیں۔" اکبری کو تکلیف ہوئی۔

"تم ہی تو کہتی ہو کہ اس جیسی چالاک فطرت اور بدلحاظ کوئی اور نہیں۔ اگر میں نے کہہ دیا تو کیا فرق پڑ گیا ویسے بھی یہ غلط نہیں' سامنے کی بات ہے پہلے اسی لقمان کے منہ میں گویا زبان نہیں ہوتی تھی اور اب دو دو زبانیں فٹ ہوگئی ہیں۔۔۔ وہ بھی تیز دھار۔"

اکبری کا مسئلہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔

حاتم کے نکلنے کے بعد بھی وہ دیر تک صحن میں بیٹھی بڑبڑاتی رہی۔ جب حاتم کی دکان جمنے چلا گیا تو اصغری کمرے سے نکلی۔ جھاڑو اٹھائی اور صحن میں پھیرنے لگی۔ ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے اکبری کا جائزہ لیا جاتا رہا۔ چند منٹ تک [illegible] ہی جگہ سے دھول اڑاتی رہی تب [illegible] دیکھا۔

"یہاں سے فرش کیسا لگ رہا ہے؟"

"اب اپنے نہ جانے کا غصہ مجھ پہ کیوں نکال رہی ہو؟" پتا نہیں اس کے لہجے میں اداسی تھی یا پچھتاوا اور۔۔۔ کہ غصے سے بھری اکبری کا دل موم ہوگیا۔ اس نے بہت دنوں کے بعد اسے غور سے دیکھا۔ صحت تو پہلے ہی خاص قابل رشک نہ تھی اب عجیب زردیاں سی گھلی نظر آرہی تھیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقے۔

"یہ تیری شکل کو کیا ہوا ہے؟ اچھا بھلا منہ فٹ منہ ہو کے رہ گیا؟"

جو سوال اکبری اس بغور معائنہ کے بعد کرنے ہی والی تھی' وہ سوال اس سے پہلے اصغری نے داغ دیا۔ وہ بھی اسی غور کے ساتھ اس کا چہرہ کھوج رہی تھی۔ جہاں بھوری بھوری بھائیوں کے سائے پیدا ہو چکے تھے۔

"کیا حاتم بھائی جان بالکل ہی کھانے پینے کو کچھ نہیں دیتے؟"

"ارے۔۔۔" نرا کھانا پینا تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے سرد آہ بھر کے کہنے پہ اصغری بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ یہ فرمان اسی اکبری نے نشر کیا تھا' جس کا قول تھا' زندگی ہے ہی صرف کھانے پینے کے لیے۔

"دکھ بندے کو کھا جاتے ہیں' اس کا ماس چاٹ جاتے ہیں۔" اس نے دوپٹے سے رگڑ کے دو آنسو زبردستی باہر نکالے۔

"سچ کہتی ہو وڈی۔" وہ جھاڑو پھینک کے اس کے برابر بیٹھ گئی۔

یوں تو اپنے اپنے شوہروں کے جانے کے بعد دونوں ہی گھر میں اکیلی ہوتی تھیں' چاہتیں تو ان کے علم میں لائے بغیر اپنی مشہور عالم سرگرمیاں باہمی طور پر پہلے کی طرح جاری رکھ سکتی تھیں' لیکن پہلے تین چار دن تک تو دونوں بھائیوں کی اچانک پھوٹتی ناانفاقی پہ حیرت نے [illegible] قدم نہ اٹھانے دیا۔۔۔ جب یہ ناانفاقی بڑھتے بڑھتے [illegible] دست خانہ جنگی تک پہنچ گئی تو دونوں بوکھلا کے رہ [illegible] اس پہ مستزاد یہ کہ دونوں بھائی آپس کی تو تکار [illegible] ہمیشہ ان دونوں کو گھسیٹ لاتے اور ہر نئے جھگڑے کا سرا ان ہی دونوں کے سر باندھا جاتا۔۔۔ اس لیے ہمارے احتیاط کے پچھلے دس پندرہ روز سے وہ چاہنے کے باوجود ایک دوسرے سے تعلقات بحال نہ کر سکیں کہ حاتم اور لقمان دونوں سخت تیوروں کے ساتھ ان کو وارننگ دے چکے تھے کہ جب تک ہماری "جنگ" جاری ہے۔ صلح کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔ ویسے تو دونوں بڑی جی دار تھیں' حاتم اور لقمان کے احکامات کو کیا خاطر میں لاتیں' اکبری بے جگری سے۔۔۔ تو اصغری سیاست سے اپنے اپنے شوہر کی ہدایات ان کے منہ پہ الٹنے میں ماہر تھی لیکن اب معاملہ دوسرا تھا۔ یہ میاں بیوی کی روزمرہ کی معمولی نوک جھونک یا جھڑپ نہیں تھی۔ دو بھائیوں کا تنازعہ تھا: دو دن میں دس بار نئی آب و تاب کے ساتھ زندہ

ہو جایا کرتا تھا۔ وہ مصلحتاً" چپ تھیں اور انتظار کر رہی تھیں کہ خود ہی ان کے دل صاف ہو جائیں تو بہتر ہے۔ لیکن یہ انتظار تھا کہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔ اب دونوں میں ہی صبر کا مادہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ آج اصغری سے رہا نہ گیا' وہ اسے مغموم دیکھ کے دلاسا دینے پاس آ ہی بیٹھی۔

"کیوں فکر کرتی ہے' بے بے نہیں آئی تو نہ سہی' میں چلی چلتی ہوں تیرے ساتھ۔"

"اور تیرا بندہ؟ وہ تو صاف کہتا ہے کہ اگر تو نے میرے ساتھ تعلق واسطہ رکھا تو وہ تیری ایسی کی تیسی کر کے رکھ دے گا۔"

"ہونہہ' اتنی ہمت اور وہ بھی لقمان میں؟ اسے تو ایسی کی تیسی کرنے کا مطلب تک نہیں آتا۔ ایسی کی تیسی تو اب میں کروں گی ان پابندیوں کی۔ کپڑے بدل کے آئی' بچہ لے چل ہسپتال۔"

"دیکھ لے' پچھلی باری کی طرح ..... لڑنا مت۔"

"بھئی یہ تو انصاف کی بات ..... جب ..... خریداری کرنے یا سیر سپاٹا کرنے نکلتے ہیں تو دونوں طرف کا کرایہ آدھا آدھا دیتے ہیں لیکن اگر میں تیرے کام سے جا رہی ہوں تب تو دونوں طرف کا ہی کرایہ تیرے ذمے ہونا چاہئے' تو تو وہ بھی میرے مجھے مار رہی تھی۔"

"دیکھ ..... دیکھ ..... تو پھر پہلے کی طرح ....." وہ روہانسی ہو گئی۔

"اچھا چل چھوڑ' دے دوں گی میں ایک طرف کا کرایہ ..... بلکہ تو بھی کیا یاد کرے گی کس سخی سے پالا پڑا ہے' میں دونوں طرف کا کرایہ دے دوں گی۔"

"تیرا اتنا کہنا ہی کافی ہے' میرا دل بڑا ہو گیا۔"

"نہ ..... نہ ..... دل بڑا ہونا تو بڑی بری بیماری ہے۔ میں نے خود پڑھا تھا اخبار میں ..... بندہ بچتا نہیں۔"

"نی چل' مخول نہ کر۔ جلدی سے تیار ہو جا' میں تجھے رستے سے چنے پھٹورے بھی کھلاؤں گی۔"

"ایویں چنے پھٹورے؟ وہ تو میرے لقمان جی مجھے ہر دوسرے دن کھلاتے ہیں۔ میں تو برگر کھاؤں گی ساتھ میں شیزان کی بوتل۔"

"اچھا شوخیے! جلدی تیار ہو جا' نہیں تو ٹیم نکل جائے گا۔" دنوں بعد کٹنے نکلنے کی خوشی دونوں کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اصغری نتھم پشتم تیار ہو کے باہر نکلی۔ اکبری نے تعریفی نظروں سے اس کے نئے جوڑے کو دیکھا۔ کالے جارجٹ کے سوٹ پہ گابی دھاگے کے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ کالے رنگ کے لباس میں اس کا رنگ بھی صاف لگ رہا تھا۔

"نیا جوڑا ..... ؟ خود کڑھائی کی ہو گی؟"

"لے تو اور کیا؟ اس لیے تو ہنر نہیں سیکھا کہ بازاروں میں پیسے برباد کروں ..... تیری طرح۔ تو اپنی پسند کا رنگ لے آ' میں تجھے بھی ایسا ہی بنا دوں گی۔"

[illegible] زیادہ فیاض اور خوش اخلاق بن رہی [illegible] تالا لگا کے باتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ دونوں [illegible] کہ لقمان آ گیا۔

[illegible] تیاری ہے؟" اس نے اس خوفناک [illegible] نکال کے اصغری کو گھورا کہ وہ ایسی کی [illegible] بھول گئی۔

[illegible] میں اکبری کو' میں اکبری کو اسپتال [illegible]

[illegible] اجازت سے؟" اس نے بیوی کے ہاتھ سے چابیوں کا گچھا جھپٹا اور دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

"لقمان جی!" اصغری نے ہونٹ لٹکا کے اداؤں کے تیر چلانا چاہے۔ "آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ میری اصغری بڑی سیانی ہے اور مجھے اس پہ پورا اعتماد ہے۔ آپ نے ہی تو مجھے اجازت دی تھی کہ میں جب بھی چاہے' کسی بھی کام سے باہر آ جا سکتی ہوں۔" اس نے آنکھیں مٹکا مٹکا کے بھولا بسرا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں مگر یہ اجازت نہیں دی تھی کہ کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤ۔ اپنے کسی ضروری کام سے بے شک جاؤ' میں شک کرنے یا روکنے ٹوکنے والا مرد نہیں لیکن

دوسروں کے کاموں کے لیے گھر پہ تالے لگا کے سڑکوں پہ خوار ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری طبیعت اتنی خراب ہے' میں ذرا دیر بعد گھر پہنچتا تو اس منحوس کالے تالے سے ہی سر پھوڑ رہا ہوتا اور تم دشمنوں کی سیوا میں مصروف ہوتیں۔"

اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے لکڑی کے دروازے کو دھکیلا۔ وہ شوہر کے پیچھے پیچھے لپکی۔

"دشمن کون؟ میں اپنی بہن کے کام نہیں آؤں گی تو کون آئے گا۔"

"میرا پورا حق ہے اصغری پہ۔ وہ تیری بیوی بعد میں بنی ہے۔ پہلے میری بہن ہے۔" اکبری بھی شیر ہوئی۔

"پھر جائی! میرا [illegible]"

"کیوں [illegible]" وہ سر پہ ہاتھ رکھے [illegible]

"[illegible] چاہتے کیا ہو' [illegible] چڑوانا چاہتے [illegible]

"[illegible] تمہیں' اب [illegible] دونوں پہ پڑنا [illegible] ہی پڑتا ہے یا [illegible] دونوں کی چخ چخ کا اثر [illegible] پہ پڑے۔ اب [illegible]

بھابھی کی زبان بند [illegible] وہ پھر بیوی کی جانب پلٹا۔

"چلو اپنے گھر [illegible] آئندہ تمہیں ہرگز اپنے دشمنوں سے [illegible] دیکھوں۔ تم نے اب تک میرا پیار دیکھا ہے غصہ نہیں۔"

وہ "مولا بخش" کی طرح [illegible] بدل بدل کے دھمکا رہا تھا۔ اکبری سر جھکائے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اصغری بھی ناگوار نظروں سے اسے بس دیکھ کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن ابے کی آمد ایک نئے تنازعے کو جنم دے گئی۔ نہ صرف تنازعہ' بلکہ ابے کی آمد کے جلو میں ایک تہلکہ خیز خبر بھی تھی۔

"تمہاری بے بے کل رات سے ہسپتال میں ہے' بڑا سخت دورہ پڑا ہے۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو "دیکھا" آخر اونٹ پہاڑ کے نیچے آ ہی گیا۔

اکبری تو وہیں تیورا کے گرنے لگی تھی' صدمہ تو اصغری کو بھی تھا مگر فی الحال اکبری کی فکر غالب آگئی۔

"ہائے ہائے ہائے وڈی ہوش کر۔" وہ اس کے ہاتھ سہلانے لگی۔

"کوئی ٹھنڈا پانی لاؤ کوئی دودھ میں روح افزا ڈال کے دو۔" اس کے واویلے پر ابے نے متانت سے تکلف نبھایا۔

"نہیں نہیں' میں ناشتہ کر کے نکلا ہوں' اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہائے ابا! میں وڈی کے لیے کہہ رہی ہوں۔"

"اسے سنبھالنے کے لیے میں کافی ہوں۔" حاتم نے دخل اندازی کی۔ "تم اپنے بندے کو سنبھالو' غسل خانے کے دروازے سے (سر) نکال نکال کے تولیے کے لیے آوازیں دے رہا ہے۔" اسے چلتا کرنے کے بعد وہ اکبری کو ہوش میں لانے کے لیے حربے آزمانے لگا۔

"لے' ابا تو مذاق کر رہا تھا' وہ دیکھ بے بے رکشے سے اتر رہی ہے' ہاتھ میں بھٹہ پکڑا ہے۔"

"چل شاباش' میری اکبری تو بڑی بہادر ہے' وہ ذرا ذرا سی بات پہ دل نہیں لیتی۔"

اللہ اللہ کر کے اکبری نے آنکھیں کھولیں' ٹھنڈے ٹھار دودھ کا گلاس حاتم کے ہاتھ سے غٹاغٹ چڑھایا۔ ادھر اصغری کمرے سے چادر لپیٹے اور لقمان تولیہ کاندھوں پہ ڈالے برآمد ہوا۔

"ہائے ابا! یہ کیا ہو گیا؟" اسے ابھی ابھی اصغری سے اس سانحے کا پتا چلا تھا' سو ابے سے لپٹ گیا۔

"ابھی ہوا کب ہے پتر۔" ابے نے مایوسی سے آہ بھری۔ "ڈاکٹر کہتے ہیں' خطرہ ٹل گیا ہے۔" اس کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

"تم لوگ خیر سے اپنے اپنے کام پر جاؤ۔ کہاں

سویرے سویرے دھندا بند کر کے ہسپتالوں میں خوار ہوگے۔ آرام سے شام کو ساس کو دیکھنے آجانا۔ اصغری اکبری میرے ساتھ چلی جائی ہیں۔ ان کو حوصلہ ہوجائے گا' میں ذرا گھر جا کے "لک" (کمر) سیدھا کرلوں' زنانہ وارڈ میں رات کو اندر تو جانہیں سکتا۔ یہ لڑکیاں ماں کی سیوا کر کے دعا لے لیں۔"

"دعا ضرور لیں' ثواب بھی ضرور سمیٹیں ماں کی خدمت کرنے کا' ہمیں کیا اعتراض ہے لیکن ثواب لینے کی باری مقرر ہوگی۔ یہ آخری ہسپتال نہیں جائیں گی۔" حاتم کے فیصلے کی لقمان نے سرہا کے تائید کی۔

"بس یہ طے ہے جہاں بھر بائی جائے گی' وہاں اصغری قدم نہیں رکھے گی چاہے وہ ان کا میکہ ہی کیوں نہ ہو۔"

"یہ کون سانیا قانون ہے؟" ابا بگڑا تھا۔ وہ دونوں بھی اس شدت پسندی کے مظاہرے پہ ششدر تھیں' انہیں توقع نہیں تھی کہ اس نازک اور سنگین صورتحال میں بھی وہ دونوں یہ مسئلہ اٹھائیں گی۔

"یہ نیا نہیں' بیس دن پرانا قانون ہے سوہرا صاحب (سسر جی)۔"

"ہائے ابا؟" اصغری نے حسب عادت ہاتھ بند کی۔

"یہ کن سودائیوں کے مشورے مار دیے ہے اپنی بھولی بھالی لڑکیوں کو۔ ان کے مغز پھر گئے ہیں۔ سگے بھائی اک دوجے کی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اور تو اور ہم دونوں پہ بھی روک ٹوک لگاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔ بتا ابا' بھلا یہ ہو سکتا ہے' ساری دنیا جانتی ہے اکبری' اصغری ایک جان دو قالب ہیں' منٹ کے لیے جدا نہیں ہو سکتیں۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" ابا ذہن پر زور ڈال کے سوچنے لگا۔

"یہ کوئی دو تین ہفتے پہلے کی بات ہے جب معمولی سے جھگڑے کو ان دونوں نے۔۔۔" اکبری تفصیل میں جانے والی تھی کہ ابا نے ٹوک دیا۔

"نہیں' میں یہ ایک جان دو قالب والے واقعے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں' یہ کس صدی کا قصہ ہے' میں نے تو اتنے سالوں میں ایسی کوئی افواہ نہیں سنی۔"

"پرانی باتیں چھوڑیں سوہرا صاحب۔" حاتم نے ہاتھ اٹھا کے اپنا فیصلہ دہرایا۔

"وہ عورتوں کے جھگڑے تھے' روز پیدا ہونے والے اور روز مرنے والے۔۔۔ مگر اب یہ مردوں کی جنگ ہے اور بیوی ہونے کے ناتے ان کا فرض بنتا ہے کہ اس جنگ میں اپنے اپنے شوہر کا پورا ساتھ دیں۔ مشرقی بیوی بن کے دکھائیں۔"

"مشرقی وفادار بیوی بننے کے لیے کیا یہ ضروری ہے پائی جان! کہ اپنی سگی بہن کا سر پھاڑا جائے؟ اصغری نے دریافت کیا۔

"نہیں تشدد کے تو میں بھی خلاف ہوں۔" حاتم نے چکنے سر پہ کھردرا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بہر حال جہاں اتنے سالوں سے تم دونوں اپنے مسئلوں پہ لڑ رہی ہو' وہاں ہمارے لیے لڑنے میں کیا برائی ہے۔"

"یہ کوئی لڑائیاں ہیں' وہ تو بہنوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔"

"مگر اس چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں ہم مردوں کا گرم خون بری طرح "چھڑ" چکا ہے اس کا خمیازہ تو تم دونوں کو بھگتنا ہی پڑے گا۔"

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" ابے نے اس بے مقصد بحث سے اکتا کے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

"کس نے میرے ساتھ جانا ہے؟ وڈی نے یا نکی نے؟"

"ماں ہم دونوں کی سانجھی ہے' پھر ہم باری سے کیوں جائیں۔" وہ اپنے موقف پہ قائم تھیں۔

"یہ گھر بھی تم دونوں کا سانجھا تھا' تب یہ بات نہ عقل میں آئی۔" حاتم نے جتایا تو دونوں کو یک دم چپ لگ گئی۔

"چلیں سوہرا صاحب! میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ' وہاں سے سیدھا دفتر چلا جاؤں گا' چھوٹے نے آنا ہوا تو اپنی بیوی کو لے کر شام کو آجائے۔ اکبری کی

طبیعت ٹھیک نہیں' وہ کل آجائے گی۔"

"ہائے میری بے بے۔" اکبری پچھاڑیں کھانے لگی۔

"میں بے بے کے پاس جاؤں گی۔۔۔ میں نے بے بے کو دیکھنے جانا ہے۔" اس کی چیخ پکار پہ کان نہ دھرتے ہوئے حاتم' ابا کے ساتھ ہی باہر نکل گیا۔ اتنے میں لقمان بھی لباس تبدیل کر آیا۔

"فکر نہ کر اصغری! میں تجھے شام تک انتظار نہیں کراؤں گا' ذرا دکان پہ اک نظر مار کے آتا ہوں' ملازم سنبھال لیں گے۔ تو تیار رہنا۔"

"لیکن لقمان بی! وہ وڈی۔۔۔ اس کی بھی تو بے بے ہے' اسے دیکھے بغیر وہ تسلی کیسے آئے گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا اصغری! بھرجائی کو ساتھ نہیں لے جانا۔ [illegible] جواب دے کے چلتا بنا۔ اکبری [illegible] سکنے لگی۔

"[illegible] طبیعت خراب ہوگی۔ [illegible] رات [illegible] ہوگی۔"

"[illegible] تو ہے بے بے کی عادت کہ [illegible] بنا لیتی ہے۔ رات کی رات میں [illegible] کیا ہوگا۔"

"[illegible] اپنی اولاد کی بات اور ہوتی ہے۔ جو خدمت ہم کر سکتے ہیں وہ ولی نیالرے گا۔"

"میں جا رہی ہوں ناں' رات وہیں رہوں گی' بس تو فکر نہ کر اپنا خیال کر۔"

"تجھے تسلی ہو جائے گی' میرا کیا بنے گا' میں کل تک کا دن کیسے گزار دوں۔ میرے پیٹ میں تو ابھی سے "وٹ" پڑ رہے ہیں۔"

"رات کو پکوڑے بھی تو تو نے دبا کے کھائے تھے۔"

"نہیں نی' یہ "وٹ" تو فکر اور پریشانی کے ہیں۔ کیا اس مشکل وبیلے میں تو بھی میرا ساتھ نہیں دے گی۔ مجھے ایسے اکیلی چھوڑ کے بے بے کے پاس چلی جائے گی۔"

"میرا کیا ہے' میں تو تجھے لے جاؤں' لقمان جی سے نمٹنا بھی میرے لیے مشکل نہیں' زیادہ سے زیادہ کیا کرلے گا' نئی نئی زبان لگی ہے' تھوڑی بہت چلا لے گا' وہ بھی میری اک نظر کی مار ہے۔ ادھر گھور کے دیکھا' ادھر بولتی بند۔ ڈر تیرا ہے' پائی جان ہے ذرا اوکھا (مشکل) اور ڈاڈا (سخت) بندہ۔ تیری شامت نہ آجائے کہیں۔ ویسے بھی تیری خالی خولی باہر سے ہی صحت پہلوانوں والی ہے' حوصلہ تو چوہے جتنا بھی نہیں۔ یہ نہ ہو' واپسی پہ۔۔۔"

"واپسی کی واپسی پہ دیکھی جائے گی۔" اکبری نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"میری بے بے بیمار ہے۔۔۔ پڑی ہے اور میں ڈرتی پھروں' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں کوئی سیر سپاٹا کرنے یا سینما دیکھنے نہیں جا رہی جو اجازت لوں' اپنی ماں کو۔۔۔ بیمار ماں کو دیکھنے جا رہی ہوں' یہ میرا حق ہے' دیکھتی ہوں تیرے پائی جان کیا کرلیں گے۔ چل اٹھ' بہت ہوگئیں ان دونوں کی ڈرامے بازیاں' زندگی کو پنجابی فلم بنا کے رکھ دیا ہے ان بھائیوں نے' ہر وقت ڈنڈے سوٹے چلانے کی باتیں۔" اس نے دلیری کا مظاہرہ کیا اور کھونٹی سے چادر اتار کے اوڑھی۔

رکشہ ابھی منرنگ چورنگی سے نکلا ہی تھا کہ اصغری نے حاتم اور لقمان دونوں کو ایک ہی چھپٹی پہ شمع سینما کی طرف مڑتے دیکھا۔

"یہ دونوں اکٹھے۔۔۔ اور وہ اس طرف' جبکہ ہسپتال تو چوبرجی کے پیچھے ہے۔" اس نے اکبری کو متوجہ کیا۔

"پاء رکشے والے' ذرا رکشہ شمع کی طرف موڑنا' اس موڑ سائیکل کے پیچھے پیچھے۔"

پیچھے پیچھے چلتے وہ رحمان پورہ کی طرف آنکلے جہاں بے بے کی بہن کا گھر تھا۔

"یہ ماسی رسولاں کی طرف کیا کرنے آئے ہیں؟"

"ضروری نہیں' ماسی کے گھر آئے ہوں' کوئی اور کام بھی ہو سکتا ہے۔" لیکن اصغری نے اکبری کے موقف کی پرزور تردید کی۔

"نہیں' نہیں' یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ ایک تو اتنی لڑائی کے بعد دونوں اکٹھے۔۔۔ وہ بھی ماسی کی گلی کی طرف

۔۔۔وہ دیکھ وڈی' ماسی کے دروازے کے آگے ابے کی سائیکل کھڑی ہے' پاء رکشہ ادھر ہی روک دے۔" اس نے گلی کے کونے پہ رکشہ رکوالیا۔ دوسرے کونے پہ ماسی کے مکان کے ٹوٹے دروازے کے آگے ابے کی رنگین جھنڈیوں والی سائیکل کھڑی تھی' جس کے برابر حاتم نے اپنی پھٹپھٹی پارک کی جس کی نمبر پلیٹ کے اوپر "دل تیرا دیوانہ" لکھا تھا۔ ان کے اندر جانے کے بعد وہ دونوں رکشے سے نکلیں اور تیز تیز قدموں سے ماسی کے گھر کی طرف بڑھیں۔ دروازے پہ لگا چھینٹ کا اٹھارہ سالہ پرانا' بے رنگ پردہ ہٹا کے دیکھا۔ سیلن زدہ نیم تاریک لمبی سی ڈیوڑھی خالی تھی البتہ کچے صحن سے آتی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

مرغیوں کی کڑکڑ کی۔۔۔

بکریوں اور میمنوں کی میں میں کی۔۔۔ ماسی کے پوتوں کی "تیری تو میں۔۔۔ تو ہٹ۔۔۔ کی گالم گلوچ کی آوازیں۔۔۔

بے بے کی بلغمی ہنسی کی آواز۔۔۔

ماسی کے حقے کی گڑگڑ۔۔۔

اور ان سب میں سے رستہ بناتی۔۔۔ آواز۔۔۔

"بھئی عنایت! سچ کہتی تھی تو۔۔۔ ڈھونڈے ہیں تو۔۔۔ میں تو کہتا ہوں۔۔۔ جوڑ پورے جہان میں نہیں۔۔۔ کیسی تو نے غلط فہمی کردیا۔ کیسے سارے گلے شکوے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کے آرہا ہوں۔" پہلی بار ابے نے میں بے بے کے لیے تعریف و توصیف کی۔

"یہ ناانصافی ہے۔ سارا منصوبہ میرا تھا' چھوٹا تو صرف وہی کرتا تھا جو میں کہتا تھا۔ ساری ساری رات اسے طوطے کی طرح رٹا لگوایا ہے تب جا کے بیوی کے آگے زبان کے زنگ کھلے ہیں ورنہ اس کی تو گھگھی بندھی رہتی تھی' زن مرید کہیں کا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے بھائی جان! منصوبہ آپ کا تھا لیکن میں اتنی اچھی طرح عمل نہ کرتا تو آپ اکیلے ہوا سے لڑتے؟ میری اداکاری میں جان تھی اور میرے لیے یہ کام مشکل تھا۔ اصغری کو آنکھیں نکال کے گھرکنا جتنا مشکل کام تھا' اتنا ہی مشکل آپ کے ساتھ بدکلامی کرنا بھی تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ آپ کے لیے میرے دل میں کتنی عزت ہے' آپ سے جھوٹ موٹ کی بدتمیزی کرنے کے بعد بھی میرا دل گھنٹوں کڑھتا تھا۔"

"یہ ضروری تھا پتر!" بے بے کی آواز سے کہیں نہ لگتا تھا' وہ کبھی کسی زمانے میں بیمار بھی رہی ہوگی۔

"علاج کے لیے کبھی کبھی کڑوی دوا کا گھونٹ پینا پڑتا ہے۔ ان کو یہ سبق دینا ضروری تھا کہ کنوارپنے کی شوخیاں اور ہلکی پھلکی لڑائیاں گھرہستن عورت بننے کے بعد چھوڑنا پڑتی ہیں اور گھر کا ماحول ٹھیک رکھنے کے لیے صبر اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔"

"یہ سبق تو نے کسی سے کیوں نہ پڑھا عنایت!" ابے نے سرد آہ بھری۔

"میں نے وہ "وخت" بھی نہ ڈالے تھے جو تمہاری بیٹیوں نے ڈالے ہوئے تھے۔ یہ بیٹھی ہے میری بہن رسماں' پوچھ تو سہی' کبھی اونچ نیچ ہوئی ہے ہمارے درمیان۔ ہاں دیورانی جٹھانی سے پھڈے بازی الگ معاملہ ہے۔ یہ دونوں تو بہن بہن ہو کے سوکنوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پہ لڑ پڑتی تھیں۔"

"بے بے کا کہنا ٹھیک ہے۔ ہمارے گھر کا ماحول بری طرح تباہ ہو رہا تھا۔ روز شام کو نحوست ڈیرے ڈالے ہوتی۔ اس کا بھی منہ پھولا ہوا' اس کا بھی سوجا ہوا۔ روز کی کل کل' روز کے سیاپے' ان کا یہی حل تھا کہ ان کو ایسے ڈرایا جائے' یہ ڈراوا دیا جائے کہ ان کی روز روز کی لڑائی ہم دونوں کے درمیان جنگ کی صورت جنم لے سکتی ہے' ایک گھر دو محازوں میں بٹ سکتا ہے اور اس سے ان کے اس رشتے پہ بھی اثر پڑ سکتا ہے جس رشتے کا انہیں علم تو تھا' مگر اس کی نزاکت اور اہمیت کا احساس اب جا کے ہوا ہے۔ خوب زوردار معرکے کے بعد بھی یہ دونوں دو تین روز کے بعد سب بھول جاتی تھیں' ایک دوسرے کے بغیر رہا بھی تو نہیں جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ذرا ذرا بات پہ دوسرے کو ذلیل کر کے رکھ دینا بعد میں چاہے صلح ہو جائے مگر سارے ٹبلے نے تماشا تو بغیر

ٹکٹ کے دیکھ لیا ہوتا ہے۔ اب یہ قصہ ختم ہوگا۔"

"اب یہ قصہ ختم نہیں ہوگا' اس کی اگلی قسط شروع ہوگی۔" اس سے زیادہ سننے کی اکبری میں تاب تھی نہ حوصلہ' وہ تیر کی طرح راہداری عبور کر کے صحن میں آدھمکی' اصغری اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

ابے کے منہ میں حقہ دبے کا دبا رہ گیا جو بڑے انتظار کے بعد ماسی رسولاں نے بخشا تھا۔ بے بے کا تعریفی انداز میں جھومتا سر رک گیا۔ ماسی بوکھلا کے سامنے رکھے میز سے شیشے کے گلاس اور جگ اٹھانے لگی کہ کہیں اس کے گھر کا یہ واحد واٹر سیٹ' جو مہمانوں کے آنے پہ نکالا جاتا ہے' بطور ہتھیار نہ استعمال ہو جائے۔ اور حاتم کی ساری تیاری ہوا ہو گئیں۔

"یہ تھے منصوبے" اصغری نے شان دلدکارا۔

"تھا شاید نشہ

سب خبر

ہوئے

اصلی تصویر

ہیں یہ

حاتم جیسا

سے متع

"

"ہوں ہاں تم

تجھے ہاں ہوتیں تو

اس ڈرامے

شوق نہیں تھا تو کھنچی سجائے کا مگر مجبوراً "ایسا کرنا پڑا۔"

"اس کا نتیجہ اب بھی نکل سکتا ہے جان!"

اصغری نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"آج ہی ہم دونوں نے طے کیا تھا کہ اس مکان کو بکوا کے اپنا اپنا حصہ الگ الگ کروائیں گی۔ ہم دونوں خود تنگ آ گئے تھے اس جنات سے۔"

"ہیکڑا بھائی جان' میں نہ کہتا تھا..." لقمان ڈر کے ہکلانے لگا۔

"چپ کر چھوٹے۔ یہ نری گیدڑ بھبکیاں ہیں۔ اگر ان کا یہی ارادہ تھا تو کیا انھیں رکشہ کر کے اپنے لیے مکان پسند کرنے نکلی تھیں۔ میکہ چھوٹنے کا ڈر سب سے بڑا ہوتا ہے عورت ذات کے لیے۔ ویسے بھی یہ جتنا مرضی چھپائیں' ان کے دل میں ایک دوسرے کے لیے جو محبت ہے اس سے بھلے یہ خود واقف نہ ہوں' ان تھوڑے دنوں میں میں ضرور واقف ہو گیا ہوں۔"

وہ دونوں خاموش نظروں سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ گذرے بیس دنوں کا ایک ایک اذیت ناک لمحہ یاد آنے لگا۔ ایک دوسرے کی تکلیف کی تڑپ محسوس کرنا... مگر اسے کم کرنے یا بانٹنے سے معذوری کی بے بسی... دل چاہنے کے باوجود کھنچے کھنچے رہنا... ہمیشہ کے لیے فاصلے قائم ہونے کا خوف جو ہر وقت سر پہ تلوار کی طرح لٹکا رہتا... یہ سب ظاہر کرتے تھے کہ حاتم کے اندازے درست تھے اور اس کا ڈرامہ ایک بروقت عمل۔

"نکی..." اکبری نے بانہیں پھیلائیں۔

"وڈی..." وہ بھی لپک کے اس کے گلے لگ گئی۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں عنایت؟" ابے کی آنکھیں مارے حیرت کے پوری طرح کھل گئیں۔

"اس طرح تو یہ کبھی عید پہ بھی گلے نہیں لگیں۔"

"اس عید پہ ملیں گی' اس کی ریہرسل ہو رہی ہے۔" حاتم نے خوشدلی سے قہقہہ لگایا۔ ماسی رسولاں نا آنکن عید سے پہلے ہی "مبارک... مبارک..." کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ایئر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۳۷ اردو بازار کراچی